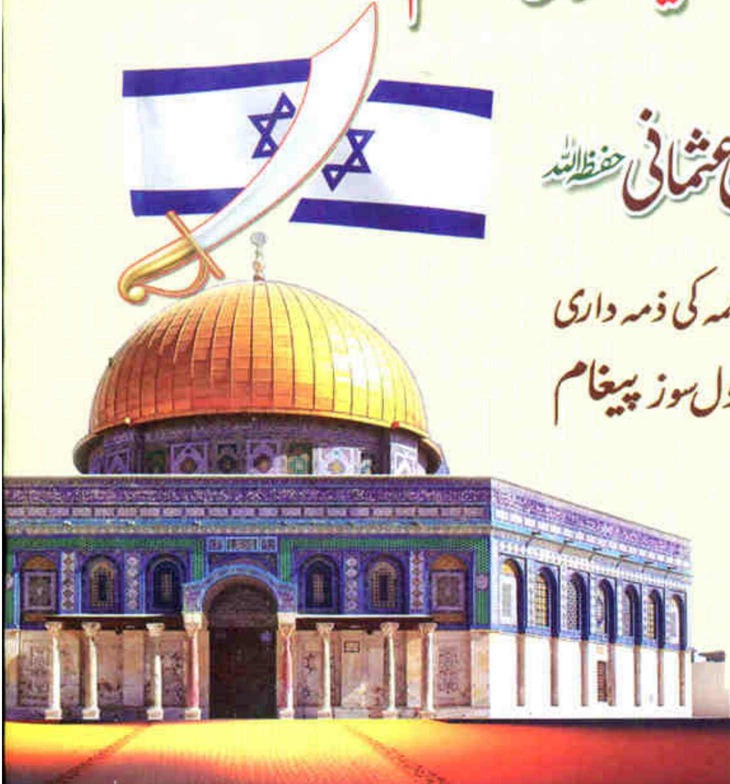
مسئلہ فلسطین ماضی و حال

حالیہ اسرائیلی مظالم

خطابات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ



مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کی ذمہ داری

بصیرت افروز، چشم کشا اور دل سوز پیغام

ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت

بندہ محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص

جامعہ دار العلوم کراچی

www.deeneislam.com

مسئلہ فلسطین _ ماضی وحال

حالیہ اسرائیلی مظالم

خطابات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کی ذمہ داری

بصیرت افروز، چشم کشا اور دل سوز پیغام

ضبط وترتیب تخریج ومراجعت

بندہ محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

Publisher :

Maktabatul Hera

8/131,36-A,Double Room, "K" Area Korangi,Karachi.

Contact: 0092 21 35159291 , Mob: 0092 300-3360816

Email:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

www.deeneislam.com

نام کتاب	:	مسئلہ فلسطین ـ ماضی وحال حالیہ اسرائیلی مظالم
خطابات	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط وترتیب تخریج ومراجعت	:	محمد انور حسین (فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	:	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/ ۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
باہتمام	:	محمد انور حسین عفی عنہ
کمپوزنگ	:	حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35159291

ناشر : مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر **36A** ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 021-35046317,35159291 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

Website: www.deeneislam.com

﴿ملنے کے پتے﴾

- ☆ مکتبۃ الحراء۔ فون: 35159291 ,021-35046317 ، موبائل: 03003360816
- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021-32722401
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042-3753255
- ☆ ادارہ اسلامیات، دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور۔ فون 042-37324412
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021-35031565-6
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021-35032020
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021-32631861

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعائیہ کلمات

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ
شیخ الحدیث ورئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين

أما بعد ـ مسئلہ فلسطین بچپن سے ہی بندہ کی توجہ کا مرکز رہا ہے، ۱۹۵۶ء میں امریکہ برطانیہ وغیرہ نے جب حملہ کیا تو حضرت والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب **قدس سرہ** کی ہدایت پر دارالعلوم سے رضا کاروں کا ایک وفد بھیجنے کی تجویز ہوئی تھی۔ اس وقت سے بندہ کو مسئلے کی اہمیت کا احساس رہا، اس لئے اس موضوع پر متعدد مضامین اور خطبات بھی قلم یا زبان سے نکلے۔

اب مولانا محمد انور حسین صاحب **حفظہ اللہ تعالیٰ** نے ان مضامین اور خطبات کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے جو وہ شائع کر رہے ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو نافع بنائیں اور اس وقت جبکہ ''طوفان الأقصیٰ'' کا جہاد جاری ہے، یہ مجموعہ مسئلہ فلسطین سے آگاہی کا سبب بنے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد انور حسین صاحب کو اس کاوش کا بہترین اجر دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں۔ آمین۔

بندہ
محمد تقی عثمانی
۲۹/۶/۴۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

مسئلۂ فلسطین بچپن سے ہی بندہ کی توجہ اور فکر کا مرکز رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل برطانیہ و فرانس نے جب حملہ کیا تو حضرت والد صاحب قدس سرہ کی ہدایت پر دارالعلوم سے رضاکاروں کا ایک وفد بھیجنے کی تجویز ہوئی تھی۔ اسی وقت سے بندہ کو مسئلے کی اہمیت کا احساس رہا، اور اسی لئے اس موضوع پر متعدد مضامین اور خطبات بھی قلم یا زبان سے نکلے۔ اب مولانا انور حسین صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان مضامین اور خطبات کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے جو وہ شائع کر رہے ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو نافع بنائیں، اور اس وقت جبکہ "طوفان الاقصیٰ" کا جہاد جاری ہے، یہ مجموعہ مسئلۂ فلسطین سے آگاہی کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ مولانا انور حسین صاحب کو اس کاوش کا بہترین اجر دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں۔ آمین۔

بندہ

۲۹-۶-۴۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

عرض مرتب

مسئلہ فلسطین_ خطبات، بیان جمعہ، اصلاحی مجالس اور دروس حدیث کا اجمالی تعارف وخصوصیات:

جامعہ دارالعلوم کراچی میں مسند تدریس، بیان جمعہ، اسی طرح اصلاحی مجالس پر رونق آراء شخصیت رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) جو علمی وسعت، فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں۔

شرعی نصوص کی تشریح، حدیث کی روشنی میں فقیہانہ بصیرت، اسرار حکم اور فہم دین کا حامل وہ درس و بیان ہے جو شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کی مجلس میں نظر آتا ہے جس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔

مسئلہ فلسطین پر آگاہی اور اس پیغام کو عام کرنے کے لئے جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی میں جمعہ کی تقریر، خطبات کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی اثنا میں فلسطین کے مسائل پر اہل وطن کے اداس باسی، تمام مکاتب فکر کے علماء عظام اور زعماء ملت کی طرف سے دعوت پر جسے حضرت والا کی مومنانہ نگاہوں نے بھی تاک لیا تھا کہ دارالحکومت میں، حکومت کے ایوانوں میں، انصاف کی عدالتوں میں، بازاروں میں، سفارتی کان کو اجاگر کرنے کے لئے یہ پیغام باطل قوتوں اور طاقت ور آقاؤں سے بے خوف ہو کر پہنچانا تھا جو اسلام آباد میں کلمہ حق بخوبی ادا کر کے فریضہ انجام دیا۔

یہ بیان اہل علم وفن، امت مسلمہ اور سوئی ہوئی قوم کو جگانے، جھنجھوڑنے اور مُردہ رگوں میں جان ڈالنے کے لئے اکسیر اعظم ثابت ہوا۔ الحمد للہ، اللھم لک الحمد ولک الشکر.

ماضی میں بھی اس طرح کلمہ حق کی ادائیگی کی مثالیں ملتی ہیں: ابراہیم علیہ السلام کی قوم جب آزر کی طرح بت تراشی اور بت پرستی کی طرف مائل ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی مواعظ حسنہ کے ساتھ ساتھ ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے وحدانیت اور حق پرستی کا راستہ دکھایا۔

اسی طرح رحمۃ للعالمین نبی آخر الزمان ﷺ نے جب اظہار نبوت ورسالت فرمایا تو مفسدین واشرار، برائی کے عادی لوگوں نے صرف انکار وتکذیب ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ استہزاء اور تکلیف وایذا رسانی پر تُل گئے۔ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ جب حالات نا قابل برداشت ہو گئے تو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور پھر جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔

اسلام نے جہاد کی اجازت دے کر خون ریزی کا دروازہ نہیں کھولا، اگر جہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو اس

آپ کے صحابہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور پھر جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔

اسلام نے جہاد کی اجازت دے کر خون ریزی کا دروازہ نہیں کھولا، اگر جہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو اس روئے زمین پر اللہ کا کوئی نام لیوا نہ ہوتا۔ اللہ کا نام لینا بھی دشوار ہوجاتا۔ تمام عبادت خانے منہدم کردیئے جاتے اور دوسری طرف جہاد صرف امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی جہاد کی اجازت دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ قدیم سنت ہے کہ اپنے مومن بندوں کو جہاد کا حکم دیتا رہا ہے تاکہ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر وفساد کو دفع فرمائے۔ حاذق حکیم جسم میں پیدا ہونے والے فاسد مادے کا علاج پہلے مرہم پٹی سے کرتا ہے لیکن اگر یہ کارگر نہ ہو تو سرجری ناگزیر ہوجاتی ہے۔

عہد رسالت میں اسلام کو خون کی ضرورت پیش آئی تو خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ اور اصحاب ﷺ نے اپنی شریانوں کے لہو سے چمنِ اسلام کی آبیاری کی۔ اس طرح امت اور دین اسلام کے بقا کی تکمیل کی۔

موجودہ دور میں **مسئلہ فلسطین اور حالیہ اسرائیلی مظالم** پر حضرت شیخ الاسلام کا دل سوز اور ایمان افروز بیان ایمانی جذبات کو بیدار کرتا ہے، یہ اسی کوشش کا حصہ ہے۔

اس لئے کہ جہاں آپ فقیہ العصر، فقیہ النفس، عالم اسرار شریعت، شیخ طریقت، زہد و ورع کے حامل، علم وعمل کے داعی، عدل وانصاف کے قاضی، ماہر قانون ومعاشیات کے اوصاف وکمالات کے ساتھ بے شمار طالبان سلوک کے لئے مرکز فیض رسانی اور اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کا مرجع ہیں؛ وہیں آپ اصلاحی مجالس، جمعہ کے خطابات اور درس بخاری شریف کے کتاب المغازي میں میدان حرب وضرب کے مجاہد اور شمشیر وسنان کے استاد نظر آتے ہیں، آپ کا درس بخاری حوصلہ کو بلند کرتا ہے، ہمت کو بڑھاتا ہے، جذبۂ حق کو گرماتا ہے، آپ کا درس مغازی سن کر اور پڑھ کر دانائی و بصیرت ترقی کرتی ہے، دوراندیشی بڑھتی، حزم واحتیاط کی عادت پیدا ہوجاتی ہے، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی قوت ترقی کرتی ہے اور قوت فیصلہ بڑھ جاتی ہے، موجودہ خطابات وبیانات، تحریری مضامین بھی اسی کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید قوی اور دعا ہے کہ یہ مجموعہ "مسئلہ فلسطین_ماضی وحال" مسئلہ فلسطین سے آگاہی کا سبب بنے اور اس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا فرما کر اس مایوسی کے دور میں امید نو اور حوصلے کا ذریعہ بنے۔

آمین یا رب العالمین. وما ذلک علی اللہ بعزیز.

بندہ محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۴۴۵/۶/۲۹ھ
12 جنوری 2024ء

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

(۱) مسئلہ فلسطین، اقصیٰ کی پکار اور امت کی ذمہ داریاں

(۲) امت مسلمہ کے لئے ایک پیغام اور فلسطینی مجاہدینؒ کے لئے اپیل

(۳) فلسطین،غزہ_ماحول کی عکاسی

(۴) اسرائیلی جنگی جرائم، مظلوم فلسطین اور ہماری ذمہ داریاں

(۵) فلسطین اور امت مسلمہ کے حالات، مایوسی کے بجائے اللہ سے لو لگائیں

(۶) فلسطین کے موجودہ حالات میں ایک مسلمان کے کرنے کا کام

(۷) فلسطین کے نشیب وفراز میں تسلی کے پہلو اور حقیقی مومن بننے کی ترغیب

(۸) مسئلہ فلسطین_ جہاد فی سبیل اللہ اور نفس کے خلاف جہاد

(۹) برادرانہ اتحاد باری تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

(۱۰) رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار

مسئلہ فلسطین

اقصیٰ کی پکار

اور

امت کی ذمہ داریاں

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ (06 دسمبر 2023ء)
کنونشن سینٹر اسلام آباد

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد! حضرات علماء کرام، زعماء ملت اور معزز حاضرین!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

حرف آغاز

ہم سب اس وقت ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنے اور سننے کے لئے جمع ہیں اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ پاکستان کے بائیس کروڑ عوام میں سے ہر ایک کے دل کی دھڑکن ہے وہ قضیۂ فلسطین ہے۔ مجھ سے پہلے بڑی ولولہ انگیز تقریریں ہوچکی ہیں، بہت سے معاملات پر اظہار خیال بھی کیا جا چکا، تجاویز بھی پیش کی گئیں، **الحمد لله**۔ میں ان کو دہرانے کے بجائے چند مختصر نکات پر آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ **الحمد لله** سب اس بات پر یک زبان ہیں کہ اسرائیل نے جو وحشت اور بربریت کا مظاہرہ غزہ کے شہریوں کے ساتھ کیا ہوا ہے وہ انسانیت کی تمام قدروں کو پامال کر رہا ہے اور اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ناپاک دشمن کے دل سے انسانیت کی ایک ادنی قدر بھی تباہ ہوچکی ہے۔ سب نے اس پر مذمت کا اظہار کیا لیکن یہاں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں میں مختصراً ان کو دور کرنا چاہتا ہوں۔

اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ختم ہونے تک جنگ جاری رہنی چاہیے

ایک بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مختلف عالمی تنظیموں کی طرف سے یہاں تک کہ ہماری مسلم دنیا کی او، آئی، سی کی طرف سے بھی جو قرارداد آئی ہے وہ جنگ بندی کی قرارداد ہے۔

جنگ بندی کے معنی یہ ہیں کہ اسرائیل کو بھی جنگ سے روکا جائے اور حماس کو بھی جنگ سے روکا جائے۔ جنگ بندی کا عام مفہوم یہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مطالبہ صرف غزہ پر بمباری کرنے سے روکنے کا ہونا چاہئے، جنگ بندی کا نہیں۔

حماس کے جانباز اور سرفروش مجاہدین اپنے پیدائشی حق کے تحت اور اسلام کے نام پر فلسطین کے پورے

خطے کواسرائیل کے تسلط سے آزادکرانے کے لئے نکلے ہیں۔ یہ جنگ بند ہونے والی جنگ نہیں ہے، یہ جنگ ختم ہونے والی جنگ نہیں ہے، یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی اور رہنی چاہئے جب تک کہ اسرائیل کا قبضہ پورے فلسطین سے ختم نہیں ہوجاتا، لہٰذاہمارامطالبہ جنگ بندی کانہیں۔

اگراسرائیل شہریوں پر بمباری کرنے کے بجائے کھلے میدانِ جنگ میں آکرحماس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو مقابلہ کرے، جنگ جاری رہے گی اور جب تک اس کے تمام ٹینک تباہ نہیں ہوجاتے، اس کے تمام آلات حرب ختم نہیں ہوجاتے، اس وقت تک حماس مقاومت کا سلسلہ جاری رکھے گا إن شاء الله۔

لہٰذا کسی باشعور مسلمان یا انسان کی زبان پر جنگ بندی کے مطالبے کے بجائے اس بمباری کے بند کرنے کا مطالبہ ہونا چاہئے۔ اسرائیل اپنی شکست کو چھپانے کے لئے اوراپنے نقصانات کا بدلہ بے گناہ شہریوں، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سے لے رہاہے جو کہ جنگی جرائم میں شامل ہے، اس کے خلاف مطالبہ ہونا چاہئے، اس لئے جنگ بندی ہمارامطالبہ نہیں ہے۔ جنگ ان شاءاللہ جاری رہے گی اور فتح تک جاری رہے گی۔

دوریاستی حل کا مطالبہ قابل قبول نہیں

دوسرانکتہ جومیں عرض کرنا چاہتاہوں وہ یہ کہ باربارحکمرانوں کی زبانوں سے بھی اوربعض مرتبہ غلط فہمی کی بنیاد پرامن پسندلوگوں کی طرف سے بھی فلسطین کے دوریاستی حل کی بات ہوتی ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطین میں دوریاستیں قائم ہوں: **ایک اسرائیل** کی ریاست اورایک **فلسطین** کی ریاست۔

یہ بالکل مغالطہ انگیز مطالبہ ہے۔ **ہم اس کی کھل کرتردید کرتے ہیں، ہم اسرائیل کے وجودکومغربی طاقتوں کاناپاک بچہ قراردیتے ہیں** اورآج تک ہم اس عقیدہ پرقائم ہیں، لہٰذایہ فیصلہ کہ اسرائیل نے جن علاقوں کو فتح کرلیاہے وہ اس کے رہیں اورغزہ اوررفح غربیہ کے اندرفلسطین کی ریاست قائم ہوجائے، یہ ہمارے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہے، لہٰذادوریاستی حل کی جوبات کی جاتی ہے اس سے ہمیشہ پرہیزکیاجائے۔

اسرائیل سازشی ودہشت گردہے

تیسری بات: ساری دنیامیں، یہاں تک کہ مغربی پراپیگنڈہ کے زیراثرمسلمان حکومتوں میں بھی ایک انتہائی زبردست غلط فہمی پائی جاتی ہے، وہ غلط فہمی مغربی ممالک کے ایک پروپیگنڈے کے تحت ہے۔

مغربی ممالک اورخاص طورپرامریکا کا یہ وطیرہ رہاہے کہ جب کوئی قوم کسی غاصب کے قبضے کے خلاف

جدوجہد کے لئے کھڑی ہوتی ہے تو وہ اس کو دہشت گرد، ارہابی اور Terrorist قرار دے کر دنیا میں بدنام کرتا ہے۔ یہی معاملہ ہمارے کشمیر کے مجاہدین کے ساتھ ہوا۔ کشمیر کے ان حریت پسندوں کو Terrorist قرار دیا گیا اور دیا جارہا ہے، افغانستان کے اندر طالبان کو ایک مدت دراز تک Terrorist کہا گیا، یہاں تک کہ آخر میں گھٹنے ٹیک کر ان کو اپنا مقابل سمجھ کر ان کے ساتھ میز پر بیٹھنا پڑا اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فتح کا راستہ استوار کیا۔

یہی صورت حال فلسطین میں ہورہی ہے کہ حماس الحمدللہ ایک سیاسی طاقت ہے، وہ کوئی لڑنے والے جنگجوؤں کا گروپ نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض مرتبہ اطلاعات کے ذرائع میں ان کے مجاہدین کو جنگجوؤں کا نام دیا جاتا ہے وہ درحقیقت مجاہدین ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کررہے ہیں۔

جناب اسماعیل ہانیہ صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ان میں سے بیشتر افراد حفاظ قرآن ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو بہت سی سورتیں حفظ ہیں الحمدللہ، ان کی دینی تربیت خاص طور پر کی جاتی ہے، حماس میں شامل ہونے سے پہلے ان کو دینی اور اصلاحی تربیت سے گزارا جاتا ہے۔

یہ درحقیقت مجاہدین ہیں جو دفاعی جہاد لڑ رہے ہیں، چونکہ دفاعی جہاد لڑ رہے ہیں اس لئے انہوں نے ارہابی، Terrorist اور دہشت گردان کا نام رکھ دیا ہے۔[1]

حقیقت میں دہشت گرد اسرائیل ہے جس نے پچھتر سال سے فلسطین کی سرزمین پر قتل عام کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حماس ایک انفرادی جماعت ہے، ایک گروہ ہے اور وہ کسی حکومت کی نمائندگی نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حماس پورے فلسطین کے باشندوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ لہٰذا اس غلط فہمی سے بھی اپنے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہئے۔

---

[1] **جہاد کی تعریف:** لفظِ جہاد باب مفاعلہ سے ہے، اس کے لفظی معنی محنت کرنے اور مشقت اٹھانے کے ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر محنت کو جہاد کہا جاتا ہے، خواہ وہ محنت زبان سے ہو، قلم سے ہو یا تلوار سے۔

لہٰذا جہاد صرف جہاد بالسیف یا قتال فی سبیل اللہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عام لفظ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کو بھی شامل ہے اور اس کے دوسرے افراد بھی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: .

﴿وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾

ترجمہ: اور اپنے مال وجان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

وقال النبی ﷺ: ((جاهدوا المشركين بأموالكم وأيديكم وألسنتكم)). .... ﴿﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾﴾ ....

اربابِ حکومت کی غفلت وکوتاہی

چوتھی بات: اس موقع پر ہم سے پہلے بہت سے علماء کرام اور زعماء نے یہ بات کہی ہے اور اس پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے کہ مسلمانوں پر اتنا زبردست ظلم ہو رہا ہے، بچوں اور عورتوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی لیکن ہم اور ہماری حکومتیں اس کے اوپر صرف زبانی اور ساتھ ساتھ کچھ امدادی کارروائیاں کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس موقع پر افسوس ہے کہ جو فیصلہ کن معاملہ کرنا چاہئے تھا، ابھی تک ہماری حکومتیں اور ہمارے حکام وہ فیصلہ نہیں کر سکے۔

اسی کی طرف اسماعیل ہانیہ صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ آپ ہمارے علاقے پر آ کر حملہ کریں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صاف صاف یہ بات کہی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ غزہ کے مسلمانوں اور مجاہدین کو جتنی امداد آپ پہنچا سکتے ہیں، ہم آپ سے اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس میں کمی نہ کریں۔

جہاد کا شرعی حکم

میں شریعت کا حکم آپ حضرات کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ:

''اگر مسلمانوں کے کسی خطے پر کوئی قابض ہو جائے تو اس خطے کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے اور وہ جہاد پہلے ان خطے کے مسلمانوں پر فرض ہے اس کے بعد اس کے پاس رہنے والے مسلمانوں پر فرض ہے اور اس طرح

............﴿﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾﴾............ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ تم اپنے اموال سے اور اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں (یعنی تقریر وتحریر) سے مشرکین سے جہاد کرو یعنی جس طرح جہاد بالنفس ہے، اسی طرح جہاد بالمال بھی ہوتا ہے۔

جو کوشش بھی اللہ جل جلالہ کے راستہ میں کی جائے گی، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ جہاد ہے اور قتال اس کا ایک فرد ہے۔ لیکن مطلق جہاد کا لفظ استعمال ہو تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے، جس کو حدیثِ مبارک میں یوں بیان کیا گیا ہے ((راس الأمر الإسلام، وعموده الصلاة، وذروة سنامه الجهاد)) یعنی دین کی اصل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔

جہاد کی ایک اور قسم: جہاد کا ایک معنی اور بھی ہے اور وہ ہے ''مجاہدۂ نفس'' کہ آدمی اپنے نفس کی خواہشات سے لڑائی کرے، یعنی نفس کی خواہشات کو گناہ کی طرف لے جانے سے روکے یا گناہ کی طرف لے جانے والی خواہشات کو کچلے، اس کو بھی جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث میں کہا گیا ہے ''المجاهد من جاهد نفسه''۔

حدیث شریف میں ایک روایت آتی ہے اگر چہ اس پر کلام ہے، آنحضرت ﷺ ایک موقع پر جہاد سے تشریف لائے تو فرمایا ''رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر'' اس حدیثِ مبارک میں جہادِ اکبر سے مجاہدۂ نفس مراد ہے، لیکن یہ جہاد کے مجازی معنی ہیں، حقیقی معنی نہیں ہیں۔

دفاعی جہاد اور اقدامی جہاد کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں: إنعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، ج:۷، ص: ۴۵۳

درجہ بدرجہ جتنے مسلمان ہیں ان سب پر اپنی استطاعت کے مطابق جہاد فرض ہوجاتا ہے۔''[۲]

میں اس بات کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے آپ حضرات کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ حسب استطاعت ہر مسلمان پر جو جہاں بھی رہتا ہو، اس معنی میں جہاد فرض ہے کہ جو مدد ان کو پہنچا سکتا ہو وہ مدد پہنچائے۔

میں آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی دو آیتیں پڑھتا ہوں اور وہ سارے مسلمانوں کے لئے اس اجتماع کا پیغام ہونا چاہئے۔

قرآن کریم سورہ نساء میں فرماتا ہے:

وَمَالَكُمْ لا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ٥ [۳]

ترجمہ: اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کررہے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لایئے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کردیجئے اور ہمارے لے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کردیجئے''۔ [۴]

---

[۲] ...... وَخِيفَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْعَدُوّ فَعَلَى مَنْ وَرَائَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ أَنْ يَنْفِرُوا إِلَيْهِمْ، وَأَنْ يَمُدُّوهُمْ بِالسَّلاحِ، وَالْكُرَاعِ، وَالْمَالِ؛ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ فُرِضَ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ مِمَّنْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ، لَكِنَّ الْفَرْضَ يَسْقُطُ عَنْهُمْ بِحُصُولِ الْكِفَايَةِ بِالْبَعْضِ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، كِتَابُ السِّيَرِ، فَصْلٌ فِي بَيَانِ كَيْفِيَّةِ فَرْضِيَّةِ الْجِهَادِ، ج: ۷، ص: ۹۸، ويقول شيخ الإسلام: "إذا دخل العدو بلاد الإسلام فلا ريب أنه يجب دفعه على الأقرب فالأقرب إذ بلاد الإسلام كلها بمنزلة البلدة الواحدة، كتاب مهمات حول الجهاد، أحكام الجهاد، ص: ۲۷.

[۳] سورة النساء، الآية: ۷۵

[۴] یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے:
ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے۔
دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے۔
مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت نہ کرسکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہوجائیں... ﴿بقیہ اگلے صفحے پر﴾...

قرآن کریم سارے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ مــالـکـم تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے اور ان مردوں، عورتوں، بچوں کی خاطر جہاد نہیں کرتے جن کو دشمن نے دبایا ہوا ہے اور وہ یہ دعائیں کررہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نجات عطا فرما دیجئے اور وہ یہ دعائیں کررہے ہیں یا اللہ ہمارا کوئی مددگار پیدا کردیجئے، ہمارا کوئی حامی پیدا کردیجئے۔

قرآن کریم ان بچوں، عورتوں اور مردوں کا حوالہ دے کر سارے مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔

دوسری آیت سورہ توبہ کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ وَاللهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ٥ [۵]

ترجمہ: (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال ودولت جو تم نے کمایا ہے اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے اور اللہ نافرمانوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے خطاب فرمایا کہ سب سے یہ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بیویاں، تمہارا خاندان، جو مال تم نے کمایا وہ اور تم نے جو شاندار گھر رکھے ہوئے ہیں جنہیں تم پسند کرتے ہو وہ اللہ اور

...﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾... سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تا کہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔ تفسیر عثمانی، سورة النساء، الآية: ۷۵، ف: ۲۔

[۵] سورة التوبة، الآية: ۲۴

رسول کے مقابلے میں زیادہ پسند ہیں تو ہمارے امر کے آنے کا انتظار کرو۔ [٦]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے امر کا انتظار کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو ایک تازیانہ دیا ہے جو اس موقع پر صادق آتا ہے۔

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

آخری بات جو میں آپ حضرات سے انتہائی انکساری کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ابھی ہمارے اس اجتماع میں مسلمان حکمرانوں پر تنقید ہوئی اور بڑی حد تک بجا ہوئی۔

تنقید بے شک ہمارا حق ہے اور ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے حکمرانوں تک وہ بات پہنچائیں جسے ہم حق سمجھتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر ہم ان سے مخاصمت کی فضا میں نہیں ہیں بلکہ مفاہمت اور نصیحت کی فضا میں ہیں، کیونکہ ہمارے دین نے ہمیں کہا ہے کہ:

اَلنُّصۡحُ لِکُلِّ مُسۡلِمٍ

اس میں **النصح لأولي الأمر** بھی ہے کہ اولوالامر کو نصیحت کرنا بھی اہل علم کا کام ہے۔ [٧]

میں اس نصیحت کے تحت یہ عرض کرتا ہوں کہ میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ اور میں اپنے دل کو ٹٹول کر اور اللہ تعالیٰ سے رجوع، دعا اور استخارہ کر کے یہ سمجھتا ہوں کہ تاریخ میں بعض اوقات کچھ لمحات ایسے آتے ہیں کہ ان لمحات میں اگر صحیح فیصلہ نہ کیا جائے تو صدیوں تک اس کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔ مشہور کسی نے کہا تھا کہ ع

لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی

لمحۂ فکریہ

تاریخ میں ایسے لمحات آتے ہیں جہاں ہمت و جرأت سے کام لے کر، جفاکشی کو اپنا شعار بنا کر کوئی صحیح

---

[٦] اس آیت نے واضح کر دیا کہ اگر خدا اور رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائے گی، اموال تلف ہوں گے، تجارت مندی پڑ جائے گی یا بند ہو جائے گی، آرام کے مکانوں سے نکل بے آرام ہونا پڑے گا تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور ''جہاد'' چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آ ؤ۔ آسان ترجمۂ قرآن، تفسیر عثمانی، سورۃ التوبۃ، الآیۃ: ۲۴، ف: ۱.

[٧] إنعام الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الايمان، رقم: ۵۷، ج: ۱، ص: ۵۹۴.

فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔اگر وہ صحیح فیصلہ اس وقت نہ کیا جائے تو صدیوں تک اس کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج یہ تاریخ کا ایسا ہی لمحہ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت پورا عالم اسلام: مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، مغرب کی غلامی کا شکار ہے۔کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا ہے کہ ہم غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں! اقتصادی، فوجی اور سیاسی، ہر اعتبار سے ہم غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔آخر یہ غلامی کب تک چلے گی؟

یہ سمجھو کہ مراکش سے انڈونیشیا تک عالم اسلام کا حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں کسی اور قوم کو نہیں دیے۔یہ دنیا کے بیچوں بیچ واقع ہیں۔ان کے پاس وہ شاہراہیں ہیں جن کے ذریعہ یہ دوسروں کا ناطقہ بند کرسکتے ہیں۔آبنائے باسفورس، نہر سوئز، خلیج عدن اور آبنائے ہرمزان کے پاس ہے، دنیا کا زرسیال تیل سب سے زیادہ ان کے پاس ہے۔گیس اور دولتیں ان کے پاس ہیں، اس کے باوجود کیوں غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں؟ وہ اس لئے کہ رسول کریم ﷺ سے صحابہ کرام ؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ! جب یہ زمانہ آئے گا کہ مسلمان سیلاب میں بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہوں گے تو کیا وجہ ہوگی؟ تو رسول کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ان کا موت سے ڈرنا اور زندگی سے محبت کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دینا۔آج ہم اس صورت حال سے گزر رہے ہیں۔

سپریم پاور اللہ تعالیٰ ہے

امریکہ اور مغربی طاقتیں کچھ نہیں

آج حماس کے جانبازوں نے ہمارے لئے یہ ایک موقع فراہم کیا ہے، آزادی کا، حریت کا اور مغربی جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار دینے کا یہ موقع انہوں نے فراہم کیا ہے، اگر سارا عالم اسلام متحد ہوکر ان کا ساتھ دے اور اس کے لئے مشترک دفاعی پالیسی بنائے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ امریکا، برطانیہ اور مغربی طاقتیں کچھ بھی نہیں کرسکتیں، کیوں کہ خدائی امریکہ کی نہیں ہے، خدائی امریکہ کے پاس نہیں آگئی۔خدائی اللہ کے پاس ہے۔سپر پاور نہیں بلکہ سپریم پاور اللہ ہے۔لہٰذا اگر ہم ایک مرتبہ اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ اگر پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تو باندھیں گے، اگر ہمیں جفاکشی کے اقدام کرنے پڑے تو کریں گے۔گولیوں کا سامنا کریں گے، بموں کا سامنا کریں گے تو نہ امریکہ اور نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت ہمیں شکست دے سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھ کر اپنی غلامی کے اس دور کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نوٹ:مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

امت مسلمہ کے لئے ایک پیغام

اور

فلسطینی مجاہدین کے لئے اپیل

امت مسلمہ کے لئے ایک پیغام، فلسطینی مسلمان مجاہدین کے لئے اپیل، اسرائیل کے عزائم کے خلاف آگاہی، امریکہ، برطانیہ اور تمام مغربی ممالک اپنے حواریوں سمیت اسرائیل کی ناجائز پرورش کی وضاحت۔ اس کے ساتھ حکمرانوں کی بے حسی اور عوام کی بے بسی، مسلم سربراہوں کی کج رویوں اور مجرمانہ خاموشی پر تنبیہات اس میں شامل ہیں۔

خطاب جمعہ مبارک ۲۶ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ (13 اکتوبر 2023ء)
جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

میرے محترم بزرگوں بھائیواور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

فلسطین میں کشت وخون کا معرکہ برپا ہے

آج ہم ایک ایسی فضا اور ماحول میں جی رہے ہیں کہ فلسطین میں ایک بہت ہی شدید معرکہ برپا ہے۔ فلسطین کی سرزمین اصل میں وہاں کے اصل باشندوں کی ہے جو سب عرب تھے اور ایک خاص منصوبے کے تحت برطانیہ اور امریکا اپنی منحوس اغراض کی خاطر مسلمانوں سے کھلی بدعہدی اور دغابازی کر کے ان کی پشت پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں کہ اطراف عالم کے مختلف ملکوں سے یہودیوں کو لاکر فلسطین میں بسا کر اسرائیل کا لیبل لگائیں تاکہ عربوں کی قوت توڑی جاسکے، ورنہ اس سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ یہودی قوم من حیث القوم کوئی زندہ قوم ہے بھی یا نہیں؟ [۸]

اسلامی ریاست میں حقوق کا تحفظ

جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے وہ اگر ایک اسلامی ریاست میں بھی موجود ہیں تو ایک غیر مسلم شہری کے طور پر اسلام نے ان کے حقوق تسلیم کئے ہیں یعنی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو بھی وہی شہری حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو ہوتے ہیں، چاہے وہ بت پرست ہوں یا بدھ مت، عیسائی ہوں یا یہودی، آتش پرست ہوں یا

---

۸ ۱۹۵۶ء میں جب نہر سوئز پر حملہ ہوا تو بھی برطانیہ اور فرانس پردہ سے باہر نکل کر کھلے بندوں اسرائیل کی پشت پناہی کر رہے تھے نہ کہ اسرائیل خود اپنی کسی طاقت سے نبرد آزما ہو رہا تھا اور آج بھی اگر اسرائیل مصر اور عرب ممالک کا مقابلہ کر رہا ہے تو اسرائیل کی پشت پر امریکہ مد مقابل ہے نہ کہ خود اسرائیل۔ پھر امریکہ اور برطانیہ نے اگر دھوکہ سے اسرائیل کو ایک وطنی اقتدار کے نام پر قائم کیا تو وہ درحقیقت عربوں کی طاقت گھٹانے یا مٹانے اور عالم عرب کو نیچا دکھانے کے لئے کیا نہ کہ یہود کی ہمدردی یا ان کی عزت یا ان کی کسی مستقل طاقت بڑھانے کے لئے یا انہیں ایک باوقار قوم سمجھ کر ان کی طاقت قائم کرنے کے لئے، اگر آج عیسائی اقوام یہود یا اسرائیل کی سرپرستی سے دست بردار ہو جائیں تو پھر اسرائیل کی کوئی طاقت نہیں کہ وہ عرب کی کسی ایک ریاست کے مقابلہ میں بھی ٹھہر سکے۔ پس یہود ان مغربی طاقتوں اور ان کی ڈپلومیسیوں کے تحت خود ان کے اقرار سے ایک آلۂ کار کی حیثیت سے زائد نہیں۔ (از اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں، مؤلفہ: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، ص: ۵۳-۵۴)

کسی بھی مذہب کے ماننے والے، اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر وہ امن کے ساتھ اور معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے اسلامی ریاست میں رہتے ہیں تو انہیں نہ صرف یہ کہ چھیڑا نہیں جائے، ان پر حملے نہیں کئے جائیں بلکہ ان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔

جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں کے رہنے والے یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ لہٰذا اگر کوئی یہودی اسلامی ریاست کے ماتحت رہتا ہے تو اگر وہ کوئی فتنہ برپا نہیں کرتا، امن تباہ نہیں کرتا، ملکی قوانین کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اسلام کو اس کے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ [9]

غاصبانہ، صیہونی منصوبے، یہودی عزائم

لیکن ان یہودیوں کو اطراف عالم سے لاکر ایک خاص منصوبے کے تحت فلسطین میں بسایا گیا اور وہاں سے اس کے اصل باشندوں کو دھکے دے دے کر نکالا گیا، اسی غرض سے یہودیوں کو پوری دنیا سے جمع کر کے آباد کیا گیا۔

یہ عام یہودیوں کی بات نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک زبان زد لفظ صیہونیت کا نظریہ اور منصوبہ تھا جسے انگریزی میں (Zionism) کہتے ہیں۔

وہ منصوبہ یہ تھا کہ یہودی ہی ساری دنیا پر حکمرانی کا حق رکھتے ہیں، یہودیوں کی ایک ریاست اس جگہ قائم ہونی چاہئے جہاں پر بیت المقدس واقع ہے اور وہاں سے پھر یہ دوسرے قریبی ملکوں کے اوپر بھی حملہ آور ہو کر وہاں اپنی ریاست قائم کریں گے، ریاست کی توسیع کی جائے گی۔

چنانچہ انہوں نے پہلے فلسطین میں کچھ زمینیں خریدنی شروع کیں اور اس غرض سے خریدیں تا کہ یہاں پر یہودیوں کو لاکر آباد کیا جائے۔ یہودی اگر کوئی عام زمین ہمارے برصغیر میں خریدنا چاہیں تو ہمیں اسلامی اور شرعی طور پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن جس منصوبے کے تحت وہاں پر زمینیں خریدی جارہی تھیں وہ منصوبہ یہ تھا کہ ساری

[9] جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہوں وہ ازروئے احکام اسلام عدالتی اور شہری احکام میں مسلمانوں کے برابر ہیں، ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں اور اسلامی حکومت پر فرض ہے بشرطیکہ غداری اور خفیہ سازشیں نہ کریں اور دشمن اور غیر دشمن، محارب اور غیر محارب کے احکام میں فرق تمام عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے۔ سیرة المصطفیٰ، ج: ۲، ص: ۲۵، والرحيق المختوم، الدور المدني، المرحلة الأولیٰ، معاهدة مع اليهود، ص: ۱۷۳.

دنیا سے یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں پر جمع کیا جائے اور اسرئیل کی ریاست قائم کی جائے، پھر اسرائیل کو قریبی عرب ملکوں تک پھیلایا جائے جسے ان کے منصوبوں میں گریٹر اسرائیل (**Greater Israel**) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس منصوبے میں اب بھی یہ شامل ہے کہ وہ اپنی حدود بڑھاتے بڑھاتے مدینہ منورہ تک لے جائیں گے **العیاذ باللہ**.

یہودیوں کو زمین فروخت کرنا

اصل منصوبہ تو یہ ہے کہ پوری دنیا پر یہودیوں کی حکومت قائم ہو۔ لہٰذا تقریباً **1940**ء کے آس پاس جب یہودی بڑی تعداد میں نہیں تھے اور آ کر زمینیں خرید رہے تھے تو ہندوستان کے اندر ہمارے علمائے کرام نے یہ فتوی دیا کہ یہودیوں کے ہاتھ زمین فروخت کرنا ناجائز ہے۔ یعنی وہاں کے مسلمانوں سے یہ کہا کہ تم اپنی زمینیں یہودیوں کو فروخت نہ کرو۔ لوگوں نے یہ سوال کیا کہ بھئی اسلامی حکم تو یہ ہے کہ اگر یہودی ہمارے ملک میں رہتا ہے، کہیں سے بھی آ کر آباد ہوتا ہے اور وہ زمین خریدتا ہے تو شرعی اعتبار سے اس کے اوپر کوئی روک ٹوک نہیں ہے لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ میں یہ فتوی دیا کہ اس ماحول میں جس منصوبے کے تحت ان کو لا کر بسایا جا رہا ہے وہاں یہودیوں کے ہاتھ زمین فروخت کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ منصوبہ درحقیقت زمینیں خریدنے تک محدود نہیں رہے گا بلکہ جب ان کی آبادی ہوگی تو یہودی اپنے منصوبے اور مذموم عزائم کے تحت کام کریں گے۔ [۱]

مسلم زعماء اور یہودی منصوبہ بندی

سلطان عبدالحمید رحمہ اللہ جو ترکی عثمانی سلطنت کے آخری خلیفہ تھے، ان کے پاس یہودیوں کا ایک بہت بڑا وفد آیا اور کہا کہ آپ ہمیں فلسطین کے اندر کوئی بڑی جگہ الاٹ کر دیں تاکہ ہم وہاں جا کر رہیں تو انہوں نے جواباً کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں میں اس منصوبے کے تحت وہاں بستیاں آباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، چونکہ مسلم زعماء، علماء کرام اور سیاسی رہنماؤں نے اس منصوبے کو بھانپ لیا تھا اس لئے انہوں نے اس سے منع کیا۔

[۱] اراضی فلسطین کی بیع یہودیوں کے ہاتھ، امداد الفتاویٰ، ج: ۳، ص: ۵۹، وبوادر النوادر، ص: ۴۱۴..

اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی

آج بھی کشمیر میں یہ تحریک چل رہی ہے کہ کشمیر کے اندر دوسرے علاقے سے ہندوؤں کو لاکر آباد کیا جارہا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ کشمیری علاقے میں مسلمانوں کی جو اکثریت ہے اس کو اقلیت میں تبدیل کردیں۔

اس وقت ہم نے بھی فتویٰ دیا جو پورے کشمیر کے اندر شائع ہوا کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی زمینیں ان ہندوؤں کو فروخت کریں جو دوسرے علاقوں سے آکر آباد ہوئے ہیں کیوں کہ اس کا مقصد اکثریت کو اقلیت بنانا اور اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کرنا ہے۔ لہٰذا شرعی اعتبار سے لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہاں پر ہندوؤں کو زمینیں بیچیں۔ یہ فتویٰ بڑے پیمانے پر شائع ہوا اور اس کا اثر بھی ہوا۔ **الحمد لله**.

بہرحال اسرائیل نے پہلے زمینیں خریدنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس پر افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ بڑی بڑی قیمتیں دے کر خرید رہے ہیں تو انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر زمینیں بیچیں، چنانچہ جب ان کی ایک اچھی بڑی تعداد وہاں پر ہوگئی تو رفتہ رفتہ انہوں نے جارحیت کے ساتھ لوگوں کو ان کی آبادی سے نکالنا شروع کیا اور پھر برطانیہ ان کی پشت پر آگیا اور اس نے **بالفور**[11] کا مشہور اعلان کر کے اسرائیل کی حکومت کو

---

[11] **اعلانِ بالفور**: برطانوی حکومت کی صیہونی یہودیوں سے ایک خفیہ معاہدے کی توثیق تھی جس کا تعلق پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے سے تھا۔ یہ بعد میں سامنے آگیا۔ اس اعلان کی علامت برطانوی دفترِ خارجہ کے ایک خط کو سمجھا جاتا ہے جو 2 نومبر 1917ء کو آرتھر جیمز بالفور (سیکریٹری خارجہ) نے صیہونیوں کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں برطانیہ نے صیہونیوں کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ فلسطین کی سرزمین میں ایک یہودی ریاست کے قیام میں بھرپور اور عملی مدد دیں گے۔ خط میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس معاہدہ کی توثیق برطانوی کابینہ کے ایک خفیہ اجلاس میں 31 اکتوبر 1917ء کو ہو چکی ہے۔ اسی اعلان کے تحت اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔

تفصیل: یہ معاہدہ، اعلان اور خط دو یہودیوں حاییم وائزمین (جو بعد میں اسرائیل کا پہلا صدر بنا) اور ناہوم سوکولو کی متواتر کوششوں کا نتیجہ تھا جو لندن میں صیہونی یہودیوں کے نمائندے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ فلسطین کے دس لاکھ لوگوں کو وہاں سے نکال کر وہاں ایک یہودی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اعلان بعد میں نہ صرف ترکی کے ساتھ ایک معاہدہ کا حصہ بھی بنا جب ترکی جنگِ عظیم اول ہار گیا بلکہ اس کو خفیہ طور پر وائزمین نے کچھ عربوں سے بھی منوایا جو اس زمانے میں اقتدار کی شدید ہوس میں مبتلا تھے اور اس کے لیے سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے سمیت کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

خط کا متن: برطانیہ کے اس وقت کے سیکریٹری خارجہ آرتھر جیمز بالفور کے خط کے متن کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

دفتر خارجہ: 2 نومبر 1917ء

محترم روتھشیلڈ!

مجھے شاہ برطانیہ کی طرف سے آپ کو بتاتے ہوئے از حد خوشی ہو رہی ہے کہ درج ذیل اعلان صیہونی یہودیوں کی امیدوں کے ساتھ ہماری ہمدردی کا اظہار ہے اور اس کی توثیق ہماری کیبینیٹ بھی کر چکی ہے: ''شاہ برطانیہ کی حکومت فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی حامی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ہر ممکن صلاحیت کو بروئے کار لائے گی مگر اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے کہ ... ﴿﴿بقیہ اگلے صفحے پر﴾﴾...

تسلیم کرلیا۔

یہ بھی آج سے ۷۵ پچھتر سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت جب پاکستان قائم ہورہا تھا اسی سال اسرائیل کا قیام بھی عمل میں آرہا تھا۔ پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح مرحوم سے اسرائیل کے بارے میں پوچھا گیا توانہوں نے کہا کہ یہ مغربی طاقتوں کا حرام یعنی ناجائز بچہ ہے، ان کی سوانح حیات میں ان کی بہن نے یہ لکھا ہے کہ جس وقت قائداعظم کے آخری سانس تھے تو تین کلمے ان کی زبان پر تھے ایک کشمیر، دوسرے مہاجرین اور تیسرے فلسطین۔ اس کے بعد لَا اِلٰہَ پڑھ کر ان کا خاتمہ ہوا۔

جب پاکستان بن رہا تھا تو اس سے امت مسلمہ کی توقعات قائم ہورہی تھیں کہ ان شاء اللہ پاکستان ایک ایسی اسلامی ریاست ہوگا جو پورے عالم اسلام کی قیادت کرے گا۔ اس کے مقابلے میں اسی وقت اسرائیل کو کھڑا کیا گیا اور اسرائیل کی حکومت قائم ہوگئی تو اس نے زبردستی وہاں سے فلسطینیوں کو اپنے علاقے سے نکالنا شروع کیا اور سمیٹ سمیٹ کر آخر میں ان کو غزہ کے ایک چھوٹے سے علاقے کے اندر محصور کردیا۔

دنیا میں کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ ایک ظالم حکومت اتنے بڑے شہر کا اس طرح محاصرہ کرے کہ سوائے کھانے پینے کی اشیاء کے کوئی چیز ان کے پاس نہیں پہنچ سکتی۔ [۱۲]

حماس کی ابتداء

اس محاصرے کو سالہا سال گزر گئے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ جولوگ اس محاصرے میں ہیں اور شب وروز ان کے اوپر حملے ہوتے ہیں، شب وروز ان کے اوپر میزائل مارے جاتے ہیں اور ان کے آدمیوں کو شہید کیا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے اندر اور آس پاس وہ مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہیں لیکن سلام ہے ان نوجوانوں پر جنہوں نے اسرائیل کی بڑی طاقت کو سامنے رکھنے کے باوجود پہلے ان کا پتھروں سے مقابلہ کیا یعنی ان کے ٹینک آتے

...﴿﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾﴾... فلسطین کی موجودہ غیر یہودی آبادی (مسلمان اور مسیحی) کے شہری و مذہبی حقوق یا دوسرے ممالک میں یہودیوں کی سیاسی حیثیت کو نقصان نہ پہنچے'

میں بہت ممنون ہوں گا اگر اس اعلان کو صہیونی فیڈریشن کے علم میں بھی لایا جائے۔

آپکا مخلص: آرتھر جیمز بالفور، 2 نومبر 1917ء

[۱۲] مذکورہ حال اس وقت کا ہے جب جنگ شروع ہوئے ایک ہفتہ ہی گزرا تھا لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ غزہ کے الشفا اسپتال میں کوئی آئی سی یو مریض زندہ نہیں رہا۔ روزنامہ جنگ 18 نومبر 2023ء۔

ظلم اور بربریت سے اس طرح محاصرہ کیا ہوا ہے کہ پینے کے لئے پانی تک ان کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔

تھے اوران کے پاس سوائے پتھروں کے کچھ نہیں تھا۔نو جوان لڑکے،سولہ،سترہ،اوراٹھارہ سال کے بچے پتھروں کی بارش کر کے ان سے نمٹا کرتے تھے۔یہ حماس کی ابتداتھی۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج ان کواس قابل کیا کہ انہوں نے اسرائیل کی طاقت کا جو دبدبہ دنیا پر چھایا ہوا تھا کہ یہ ایٹمی طاقت ہے۔اس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں اعلیٰ ترین طیارے ہیں،میزائیلوں کو انٹرسیپٹ (intercept) اورروکنے کا ایک منظم مضبوط نظام قائم ہے۔ان لوگوں نے رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی قوت کو بڑھانا شروع کیا۔راکٹ بنانا شروع کردیئے،ان کےاوپر جب راکٹ برسائے تو ان کی جو وہ جگہ تھی جسے آئرن ڈوم کہا جاتا ہے جہاں پرراکٹوں کو ناکارہ کرنے والاسسٹم لگا ہوا ہےاس کو جا کرنقصان پہنچایا، ان کی انٹیلیجنس فیل ہوگئی،انہوں نے جا کران کے اہم مقامات پر حملے شروع کئے چنانچہ ان کے تمام منصوبے جاسوسی نظام سمیت دھرے کے دھرے رہ گئے۔

اسرائیل بننے کی تاریخ سے لے کرآج تک کبھی اتنا بڑا جانی نقصان اسرائیل نے نہیں اٹھایا تھا جتنا حماس کے ان حملوں کے ذریعے اس کو پہنچا۔خودان کے اعتراف کے مطابق اس وقت جو اطلاع ہے کہ ۱۳۰۰ تیرہ سوآدمی مرچکے ہیں،خوف وہراس پھیلا ہوا ہے،ان کا کوئی شہرایسانہیں ہے جس کے اوپرانہوں نے راکٹ نہ داغے ہوں لیکن اس کے جواب میں انہوں نے غزہ کے رہنے والوں پرجس وحشت وبربریت کا سلوک کیا ہے اس کی بھی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔

جنگی جرائم اور بین الاقوامی قانون

یہ ساری دنیا کا بین الاقوامی قانون ہے کہ جنگ کے اندر بے شک آپ دشمن کے دفاعی مراکز پر حملے کریں اورآپ دشمن کو براہ راست نقصان پہنچائیں لیکن جوشہری آبادی ہےاس پر بمباری کرنایااس کو برباد کرنا، یہ دنیا کے مانے ہوئے عالمی قوانین کے بالکل مخالف ہے بلکہ اسے جنگی جرائم میں شمار کیا جاتا ہے۔پھر جو اطلاعات ہیں اس میں بمباری بھی فاسفورس کے بم یعنی جلانے والے بموں سے ہورہی ہے۔

فاسفورس بم کسی بھی لڑائی میں استعمال کرنا بین الاقوامی طور پرناجائز ہے،غیرقانونی ہے،کیمیاوی بم کا استعمال بھی بین الاقوامی طور پرممنوع ہے لیکن وہ بم برسائے جارہے ہیں اورغزہ کےشہرکوکھنڈربنانے کی کوشش جاری ہے۔

یہ سب کچھ ہورہا ہےاس کے مقابلے میں حماس کے جانباز اس کا مقابلہ کررہے ہیں اوراس کوزیادہ سے

زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ادھر صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل کی مدد وحمایت کے لئے ساری مغربی طاقتیں یکجا ہو گئیں۔ امریکا کا وزیر خارجہ انٹونی بلنکن وہاں جا کر کہتا ہے کہ جب تک ہم یعنی امریکا موجود ہے، اس کے ساتھ کھڑے ہیں اس وقت تک اسرائیل کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ برطانیہ اور وہ سارے ممالک جو مغربی ممالک کہلاتے ہیں ان سب نے بیک آواز اسرائیل کی حمایت کا اعلان کیا ہے، اس کی پشت پر کھڑے ہیں۔ یعنی بقول قائداعظم محمد علی جناح کے اس ناجائز بچے کی پشت پناہی کے لئے امریکا سے لے کر برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک تک پوری مغربی دنیا کھڑی ہے۔

مسلم حکمرانوں کی بے حسی

ایک طرف تو یہ حال ہے کہ پوری غیر مسلم دنیا بھارت سمیت اس کی پشت پر کھڑی ہے۔ بھارت بھی کہتا ہے میں اسرائیل کے ساتھ ہوں اور اس لئے ساتھ ہوں کہ اگر عالم اسلام کو دیکھو تو مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک عالم اسلام ایک دوسرے کے ساتھ ایک زنجیر کی شکل میں ہے۔ اس کے بیچ میں صرف دو غیر مسلم حکومتیں حائل ہیں ایک بھارت اور دوسرے اسرائیل۔ دونوں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں، چنانچہ بھارت نے بھی اسرائیل کی حمایت کا اعلان کیا اور ساری مغربی دنیا اس کی حمایت کررہی ہے۔

لیکن افسوس اور صدمہ اس بات پر ہے کہ مسلمان ممالک جو انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں جو غزہ کے برابر آباد ہیں۔ اسرائیل، اردگرد مسلمان ملکوں کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا نقطہ ہے۔ وہ ایسا ہے کہ کسی زمانے میں کہا جاتا تھا کہ سارے مسلمان مل اگر تھوک بھی دیں تو اسرائیل غرق ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ سارے مسلمان ملک یا تو خاموش ہیں اور یا زبانی کلامی حمایت کا اعلان کررہے ہیں۔

اللہ کے بندو! نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ [۱۳]

ارے! مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس کے کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا درد ہوتا ہے تو سارا جسم رات کو بیدار رہتا ہے۔ بخار چڑھ جاتا ہے۔ اس تکلیف کو سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ایک

[۱۳] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، رقم: ۲۵۸۶)

مسلمان کوروئے زمین پر کہیں بھی بسنے والا ہو اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے مسلمانوں کو اس کی تکلیف پہنچنی چاہئے۔

قرآن کریم نے اعلان کیا کہ ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ'' سارے مومن بھائی بھائی ہیں اور اس بنا پر جو قومیت کی دیواریں ہیں وہ توڑ دیں اور بتایا کہ مومن ہونے کے بعد ایک ہی امت ہے اور وہ امت امت مسلمہ ہے۔ اس کا فرد افریقہ، ایشیاء، یورپ، مشرق اوسط، کہیں بھی رہتا ہو ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔

مسلمان مسلمان کو بے یارومددگار نہیں چھوڑتا

بھائی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا کہ **المسلم أخو المسلم، لا یظلمه، ولا یسلمه،** [۱۴] مسلمان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو بے یارومددگار نہیں چھوڑتا۔ نہ اس کو دشمن کے حوالے کرتا ہے اور نہ اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔ لہٰذا اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے کہ اگر ایک جگہ کے مسلمانوں پر کوئی دشمن حملہ آور ہوا ہے تو دوسرے مسلمانوں نے آکر انہیں حملوں اور ظلم وستم سے نجات دلائی ہے۔

جب مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم ہوتے تھے تو افغانستان سے بڑے بڑے رہنما اور بڑے بڑے بہادر لوگوں نے آکر انہیں نجات دلائی، ہمارے ہندوستان کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے زمانے میں مرہٹوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔ مسلمانوں پر بہت ظلم ہوتا تھا تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے خط لکھ کر افغانستان سے احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ کو بلایا اور انہوں نے آکر پانی پت میں جو لڑائی لڑی اس نے مرہٹوں کی کمر توڑ دی۔ چنانچہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ دوسرا مسلمان کسی بھی علاقے میں بستا ہو، کوئی زبان بولتا ہو لیکن اسلام کے رشتے نے انہیں ایک لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ اس کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کی ہر ممکن مدد کرے۔

عبرت، افسوس اور صدمہ کا مقام ہے کہ ساری مغربی دنیا اسرائیل جیسے چھوٹے سے ناجائز بچے کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہے، اس چھوٹے سے علاقے کے اوپر حملہ کرنے کے لئے باقاعدہ وہاں سے طیارہ بردار

---

[۱۴] المسلم أخو المسلم، لا يظلمه، ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة. شرح صحيح البخاري لابن بطال، كتاب المظالم والغصب، باب لا يظلم المسلم ولا يسلمه، ج: ٦، ص: ٥٧١.

بیڑہ بھیج دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ مزید، خود اسرائیل کے پاس بہت بڑی طاقت ہے جو حماس کی طاقت کے مقابلے میں ۱۰۰۰ / ہزار درجے فوقیت رکھتی ہے لیکن وہ پھر بھی کہتا ہے کہ مجھے اور امداد دو تا کہ اسے اور زیادہ قوت حاصل ہو۔

امریکا کا وزیر خارجہ انٹونی بلنکن جا کر اس کو تسلی دیتا ہے کہ ہم تمہاری پشت پر بیٹھے ہیں۔قرآن کریم نے کہا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ: [۱۵]

ان کے اوپر ذلت اور مسکنت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوگا کہ کچھ آ کر ان کی مدد کر دیں گے تو اس مدد کی وجہ سے یہ تھوڑی سی عزت پا جائیں گے۔

قرآن کریم نے یہ پیشن گوئی کی تھی۔ چنانچہ آج امریکا اور برطانیہ ویورپ کی طاقتیں حبل من الناس کا مظاہرہ کر رہی ہیں کہ لوگ جا کر ان کی مدد کر رہے ہیں اور مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلا ہوا عالم اسلام سویا ہوا ہے۔ اسرائیل کو دیکھو تو بیچ میں ایک چھوٹا سا ایک نقطہ ہے اور پورا عالم اسلام اس کے دائیں بائیں پھیلا ہوا ہے لیکن وہ صرف زبانی کلامی باتوں کی حد تک محدود ہے۔ کوئی مدد نہیں پہنچائی جا رہی، نہ حماس کو اور نہ غزہ کے باشندوں کو، جن میں بچے مر رہے ہیں عورتیں مر رہی ہیں۔ بچوں کے جنازے اٹھ رہے ہیں، اوپر سے ان کی بجلی، پانی اور ان کے لئے غذائیں پہنچانے کا راستہ بھی بند ہے، ان کے لئے ضروریات زندگی بند ہے۔

مصر نے چاہا تھا کہ ان کو کچھ راستہ مل جائے کہ جس سے وہ کم از کم غزہ کے لوگوں کی مدد کر دیں اس کو بھی اسرئیل نے مسترد کر دیا۔ اب وہ بیٹھے ہیں کہ بھئی اگر آپ نہیں کھولنے دیتے تو ٹھیک ہے، ہم بھی نہیں کھولتے۔ گویا ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں، اگر آپ راستہ کھولنے کا حکم دیں گے تو ہم کھولیں گے ورنہ ہم بھی ایسے ہی بیٹھے رہیں گے۔ پورے عالم اسلام کی یہ ناگفتہ بہ حالت ہوگئی ہے۔

حسرت و یاس میں امید نو

پاکستان فوجی اعتبار سے سارے عالم اسلام میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے، ایٹمی طاقت ہے

[۱۵] سورة آل عمران، الآية: ۱۱۲

الحمد للہ لیکن پاکستان کو اقتصادی زنجیروں کے اندر جکڑ کر ایسا پھانسا اور الجھایا گیا ہے کہ اس کے اوپر قرضوں کے انبار ہیں اور قرضے بھی ان ہی لوگوں کے ہیں، لہٰذا پاکستان اقتصادی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ لہٰذا یہاں سے بھی جو بیانات آرہے ہیں وہ پھس پھسے قسم کے ہیں جن میں کوئی جان نہیں، صرف یہ کہ بھئی ایک زبانی حمایت کی حد تک ہے۔

یہاں تک کہ آپ دیکھیں کہ ہمارا میڈیا بھی ان خبروں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہا۔ اگر میڈیا کو کھولیں تو اس میں فلسطینی خبروں کے بجائے ہمارے آپس کے جھگڑوں کا تذکرہ ملے گا، سیاستدانوں کے تذکرے اور ٹکراؤ سے سارا میڈیا بھرا ہوا ہے اور کرکٹ کی خبروں کو بھی مقدم کیا ہوا ہے۔ آخر میں جاکر دو چار جملے اسرائیل اور فلسطین کے متعلق آجاتے ہیں۔ یہ بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی کی زبردست مثال ہے کہ ہمارے کانوں پر جوں ہی نہیں رینگ رہی۔

میرے بھائیو! اس وقت آپ کے سامنے اپنا دردِ دل پیش کرنا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کام حکومتوں کا ہے لیکن وہ سوئی پڑی ہیں اور یہ ایسا موقع تھا کہ اگر سارا عالم اسلام متحد ہو کر اس حماس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا تو اسرائیل کا نام ونشان مٹ سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کی کوئی صورت فی الحال نظر نہیں آرہی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کوئی صورت پیدا فرمادے۔

عوام میں یہ شعور اور بیداری ہونی چاہئے کہ وہ اپنے جذبات کو اپنی حکومتوں تک پہنچائیں۔

اردن اور مختلف ملکوں میں مظاہرے ہوئے اور اس میں لوگوں نے حکومت کو اپنے جذبات پہنچائے کہ اس کام میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن یہاں سے عوامی سطح پر بھی کوئی بلند آواز نہیں اٹھ رہی۔ سارے مسلمان ملکوں کے اندر عوام کو چاہئے اپنے ان جذبات کا اظہار کریں، اسرئیل کی مذمت اور حماس کی حمایت میں اپنی آوازیں بلند کریں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے آپ کے کرنے کا کیا کام ہے؟ اس پورے پس منظر میں جب کہ مسلمان ملکوں کی حکومتیں اپنا صحیح فریضہ بظاہر ادا نہیں کررہیں اس صورت میں ہمارے کرنے کا کام کیا ہے۔؟

ذمہ داری اور لائحہ عمل

پہلا کام کرنے کا یہ ہے کہ اپنی اپنی سطح پر آوازیں اٹھائی جائیں اور حکومتوں سے یہ مطالبہ ہو کہ آپ اس جنگ کے اندر غیر جانب دار ہو کر نہ بیٹھیں بلکہ حماس کی مکمل حمایت کریں۔ صرف زبانی نہیں بلکہ ان کو امداد

پہنچانے کا کوئی بھی طریقہ ممکن ہو ان کو امداد پہنچائی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا بہت بڑا ہتھیار دعا ہے، افسوس ہے کہ ہم اس کو ہتھیار نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں۔ یہ سارے اسباب: راکٹ، میزائل، بار بردار جہاز، یہ سب ظاہری اسباب اور وسائل ہیں، ان میں تاثیر پیدا کرنے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ لہٰذا ایک طرف تو ہم اپنی آواز بلند کریں۔

اسی پس منظر قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ ہے جو ہمارے سارے حکمرانوں کو پہنچانے کی ضرورت ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے: قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا:

قرآن کریم ہم سب مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جہاد نہیں کرتے اللہ کے راستے میں اور ان پسے ہوئے مسلمانوں کے راستے میں جو یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے حکمران ظالم ہیں اور ہمارا کوئی یار و مددگار پیدا کر دے۔ اس بستی کے لوگ جس کے اہل ظالم ہیں یہ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اور یہ پوری آیت غزہ کے مسلمانوں کے اوپر چسپاں ہو رہی ہے، وہ پسے ہوئے ہیں اور دعائیں کر رہے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اس مصیبت سے نکال دے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم ان کے راستے میں کیوں جہاد نہیں کرتے، تم ان کے راستے میں قتال نہیں کرتے۔

یہ ساری تنبیہات ہیں، ہم عام آدمی خود جا کر جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس کو آتا ہی نہیں ہے اور وہ جا کر سوائے ان کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنی حکومتوں کو اس پر اپنے جذبات کا اظہار کر کے اس پر مجبور کر سکتے ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ ہماری حکومتیں یا ہماری افواج اتنی بے حس اور بے حیا ہوں کہ سارے کے سارے معاملات کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی کوئی نا کوئی کوشش نہ کرتے ہوں۔ بعض اوقات ان کوششوں کا سامنے مظاہرہ نہیں ہو پاتا لیکن اگر عوام کی قوت ان کے پیچھے ہو تو پھر ان کو ایک طاقت وحمایت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایک تو ہر سطح

پر آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اور دوسرے رجوع الی اللہ۔ کوئی نماز خالی نہ جائے جس میں اللہ تعالٰی سے ان کے حق میں دعا نہ کی جائے۔ ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ ان کے لئے دعائیں کرے۔

ہمارے بزرگوں کا ایک طریقہ یہ رہا تھا کہ جب اس طرح کی کوئی اُفتاد سارے مسلمانوں پر آتی تھی تو وہاں پر ختم ہوتے تھے۔ آیت کریمہ اور حصن حصین وغیرہ کا ختم ہوتا تھا، اس میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ مسلمان ساتھ بیٹھ کر وہ ختم کیا کرتے تھے تو اس کا بھی اہتمام ہمیں کرنا چاہئے۔

دعا بڑا زبردست ہتھیار ہے۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ: دعا مومن کا ہتھیار ہے اور ایسا ہتھیار ہے کہ جس کو استعمال کر کے قرآن نے فرمایا:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ

اس کے نتیجے میں چھوٹی سی جماعت بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہے

اور اس کا منظر بہت مرتبہ تاریخ میں دیکھا ہے۔ اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ اللہ کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کا نتیجہ ہے، یہ گناہوں کی شامت اعمال ہے جو ہم پر مسلط ہے، شامت اعمال کو اللہ تعالٰی دور کر دے اس کی دعا کرنا توبہ کرنا، استغفار کرنا، اللہ تعالٰی سے رجوع کرنا۔ یہ ہمارا کام ہونا چاہئے اور یہ ہمارا صبح وشام کا وظیفہ ہونا چاہئے۔

اللہ تعالٰی اپنے رحمت اور فضل وکرم سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

دعا

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل وکرم سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما، ظاہر وباطن کے تمام گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہماری تمام جائز مرادیں اپنے فضل وکرم سے پوری فرما، یا اللہ! ہم میں جو لوگ بیمار ہیں انہیں شفاء کامل و

عاجل عطا فرما، جو تنگدست ہیں ان کی تنگدستی دور فرما، جو بے روزگار ہیں ان کو حلال واسع روزگار عطا فرما، یا اللہ! حماس کے مجاہدین کی امداد ونصرت فرما، یا اللہ! اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ان کو قوت عطا فرما، عزت اور شوکت عطا فرما، یا اللہ! مسلمان ممالک کو توفیق عطا فرما کہ ان کی ضروری امداد میں شریک ہوں اور اس جہاد کا حصہ بنیں، یا اللہ! اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ان کو اس جہاد میں کامیابی عطا فرما، یا اللہ! اسرائیل کو اور اس کے عزائم کو تباہ وبرباد فرما۔

یا اللہ! یا ارحم الراحمین! آپ نے یہ فرمایا ہے کہ أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين، یا اللہ! اپنے فضل وکرم ہمیں صحیح معنی میں مومن بنادیجئے اور صحیح معنوں میں مومن بنا کر اپنے فضل وکرم سے اپنے وعدے کے مطابق أنتم الأعلون کا مصداق بنا دیجئے۔ یا اللہ! یا رحمٰن! یا رحیم! یا کریم! ایک چھوٹی سی قوت بہت بڑی قوت کے مقابلے میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ! یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے اس کا مظاہرہ دکھا دیجئے، یا اللہ! یہ سارے آلات، وسائل اور اسلحہ آپ کی قدرت کے آگے کچھ نہیں۔ یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما کر اپنی قدرت کے عجائب دنیا کو دکھا دیجئے اور اس چھوٹی سی جماعت کی مدد فرمائیے۔

یا اللہ! آپ نے جس طرح افغانستان میں اپنی قدرت ورحمت کا مظاہرہ فرمایا ہے یا اللہ! فلسطین میں بھی ایسا ہی مظاہرہ فرما دیجئے اور اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ان کو فتح مبین عطا فرمائیے اور فلسطین کو آزاد کرانے کا ایک بہترین ذریعہ اس کو بنا دیجئے۔ یا اللہ! ہماری تمام جائز مرادیں پوری فرما دیجئے، تمام حاضرین کو ان کی تمام جائز مرادوں میں کامیاب فرمائیے، یا اللہ! ہمارے ملک وترقی اور استحکام عطا فرمائیے، یا اللہ! ہمارے ملک کو بحران سے نکال دیجئے، یا اللہ! سیاسی اور اقتصادی بحران سے نکال دیجئے، یا اللہ! یا رحمٰن! یا رحیم! یا کریم! اپنے فضل وکرم سے ہمارے ملک کو صحیح معنی میں اسلامی فلاحی ملک بننے کی توفیق عطا فرمائیے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين. آمين برحمتك يا أرحم الراحمين.

نوٹ:

مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

فلسطین، غزہ _ ماحول کی عکاسی

فلسطین اور بنی اسرائیل (یہودیت) کی تاریخی حقائق، ترغیب کے ساتھ بیداری مہم کارفرما ہے جو اقدامی اور دفاعی جہاد کے لئے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

خطاب جمعہ مبارک ۴ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ (20 اکتوبر 2023ء)
جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

میرے محترم بزرگوں بھائیواور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

ماحول کی عکاسی

آج کل ہم مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں کسی اور موضوع پر بات کرنا بے وقت معلوم ہوتا ہے۔آج ہر مسلمان جس کو حالات کی خبر ہے وہ فلسطین کے مسلمانوں پر جو قیامت برپا ہے اس کی وجہ سے بے چین ہے۔غزہ کے شہر میں جس وحشیانہ انداز میں بمباری کی گئی ہے تین ہزار سے زیادہ مسلمان،شہری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔اسپتالوں پر حملے ہورہے ہیں جو مریض زیر علاج ہیں ان کے اوپر حملے ہو رہے ہیں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو اس وحشت ناک بربریت کا شکار ہوگئی۔

بدنصیب شہر _ غزہ کی حالت زار

غزہ شہر کے بہت بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا۔ان معصوم بچوں کے تڑپنے، کراہنے اور درد سہنے کے حالات کی اطلاع سے ہر مسلمان کا دل بے چین ہے۔عالمی طاقتیں جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کی علم بردار کہتی ہیں وہ نہ صرف خاموشی سے تماشہ دیکھ رہی ہیں بلکہ اس درندگی کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں اور کھل کر یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ ہم اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اس موقعہ پر دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

پہلی بات یہ ہے کہ اسرائیلی پروپیگنڈہ ہے جو ساری دنیا میں پھیلایا گیا ہے جس کی وجہ سے بہت سی حکومتیں جو غیر جانبدار بھی ہوں لیکن وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوئیں۔

بعض اوقات یہ سوال خود مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ حماس کو کیا پڑی تھی کہ وہ اسرائیل پر

راکٹ داغ کر اس جنگ کو کھڑا کرتا، جب کہ اسے معلوم تھا کہ اسرائیل کی طاقت اس سے سو گنا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی پشت پر امریکا اور برطانیہ کھڑا ہے۔ تو وہ چند راکٹ داغ کر کیسے اس جنگ میں فتح حاصل کرسکتا ہے؟

لہٰذا بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ حماس نے یہ خودکشی کا اقدام کیا ہے اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں تھی کہ اتنی بڑی طاقت کو اس طرح للکار کر ایسی حالت میں جب کہ حماس کے پاس نہ کوئی فضائی طاقت ہے اور نہ اس درجے کے ہتھیار ہیں جیسے اسرائیل کے پاس ہیں اور امریکا اور برطانیہ ان کی مدد پر کھڑے ہیں۔ تو یہ ایک طرح سے خودکشی کا اقدام ہے۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں ہے۔ یہ ساری کی ساری قوت دے کر اس کو عالم اسلام کے بیچوں بیچ کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد درحقیقت صرف فلسطین نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ان کے خیال میں ایک ناقابل تسخیر قوت پیدا کردینا ہے۔

مغربی طاقتوں کا ناجائز پروردہ

سن ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم ہوا اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی حکومت کا اعلان کیا گیا اور اس کا قیام عمل میں آیا۔ ہزاروں لوگوں کا خون بہا کر دیر یاسین (Deir Yassin) [۱۶] کے اندر مسلمانوں کو ذبح کر کے ظلم وستم کی انتہا کر کے ان کو اپنے گھروں سے نکال کر ۱۹۴۸ء میں یہ قیام عمل میں آیا۔ اسی وقت قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہا تھا کہ یہ مغربی طاقتوں کا ناجائز بچہ ہے۔

ایک طرف پاکستان ایک اسلامی قوت کے طور پر ابھر رہا تھا اسی وقت عالم اسلام کے بیچ میں ایک ناسور پیدا کردیا گیا جس کا نام اسرائیل ہے۔ پھر طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے مسلمان ملکوں کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اس کو تسلیم کریں یعنی ایک یہودی ریاست کے طور پر اس کو تسلیم کریں۔ کچھ ریاستیں دباؤ میں آکر انہیں تسلیم کرچکیں۔ مصر اور اردن، انہوں نے اس کو بطور ایک ریاست کے تسلیم کرلیا۔

---

[۱۶] دیر یاسین ایک فلسطینی عرب گاؤں تھا جو یروشلم کے مغرب میں تقریبا 5 کلومیٹر (3.1 میل) مغرب میں 600 کے قریب باشندوں پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں نے 1948ء میں عربوں اور یہودیوں کے مابین فلسطین کی جنگ کے دوران غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ یہ گاؤں 9 اپریل 1948ء کو یہودی نیم فوجی انجمنوں، لیہی اور ارگون کے ذریعہ 107 کے قریب باشندوں کے قتل عام کے بعد تباہ ہوگیا تھا۔ گاؤں کی عمارتیں آج ایک اسرائیلی عوامی نفسیاتی اسپتال، کیفر شال دماغی صحت مرکز (Kfar Shaul Mental Health Center) کا حصہ ہیں۔

اب صورت حال ایسی بن رہی تھی کہ اس کو تسلیم کروانے کے لئے مسلمانوں کے مرکز یعنی سعودی عرب کے ساتھ تعلقات استوار کرانے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اگر ایک مرتبہ بھی سعودی عرب اسرائیل کو تسلیم کر لیتا تو پھر دوسرے مسلمان ملکوں کے لئے مشکل ہو جاتا کہ وہ اس کو تسلیم نہ کریں لہٰذا اس کے ذریعے یہ سازش کی جارہی تھی کہ سارے مسلمان ملک اسرائیل کو ایک مستقل یہودی ریاست کے طور پر تسلیم کرلیں۔

ایسا نہیں ہے کہ حماس نے اچانک حملہ کردیا ہو۔ اس کی پوری تاریخ ہے کہ اسرائیل کے قیام سے لے کر فلسطینیوں کے اوپر ظلم وستم اور بربریت کے اقدامات کی ایک تاریخ ہے۔ اس کو ہر باخبر مسلمان جانتا ہے۔ لگاتار کچھ عرصے بعد فلسطین کے کسی نہ کسی حصے میں فلسطینیوں کو ذبح کیا جاتا رہا ہے۔ حماس نے محسوس کیا ہوگا واللہ اعلم کہ اگر ایک مرتبہ اسرائیل کو سارے عالم اسلام نے تسلیم کرلیا تو پھر ناسور پوری طاقت کے ساتھ وجود میں آئے گا پھر صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ ان کا گریٹر اسرائیل کا جو منصوبہ ہے وہ وجود میں آجائے گا۔

اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ اس موقعہ پر اگر کوئی کاری ضرب لگادی جائے تو یہ تعلقات جو مختلف اسلامی ملکوں سے قائم ہورہے ہیں کم از کم وہ رک جائیں گے اور ایسا ہی ہوا ان کے اس اقدام کی وجہ سے الحمدللہ مسلمان ملکوں میں ایک شعور پیدا ہوا اور وہ معاہدات جو ہونے جارہے تھے وہ ختم ہوگئے۔ پہلی کامیابی یہ حاصل کی۔

انہوں نے یہ سوچا کہ مرنا تو ہے ہی تو عزت کی موت کیوں نہ مریں۔ ایک مسلمان مجاہد کی موت کیوں نہ مریں۔ چنانچہ انہوں نے یہ اقدام کیا اور یہ اقدام اگرچہ عقل پرستوں کو سمجھ میں نہ آئے لیکن جس کے پیش نظر اللہ کے راستے میں شہید ہونا ہوتا ہے، شہادت جس کی منزل مقصود ہوتی ہے اس کے لحاظ سے یہ بالکل درست اقدام ہے۔

ناسور کا علاج

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس نے اسرائیل کی شوکت اور دبدبے پر اور ذہنوں پر جو اس کا رعب چھایا ہوا تھا اس رعب پر اس نے کاری ضرب لگائی۔ اگر استقامت کے ساتھ یہ جنگ جاری رہے اور جو مسلمان ملک ہیں وہ اپنے فرائض ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ایک فیصلہ کن معرکہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس ناسور سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔

یہودی ریاست_ بھونڈا اصول

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ کبھی اگر یہودی ایک

ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس زمین میں قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ان کی تاریخ ہے۔ یعنی فلسطین کی زمین انبیاء کی سرزمین ہے اور بیشتر انبیاء کرام بنی اسرائیل سے آئے اور یہ یہودی بنی اسرائیل کی اولاد ہیں، اگر یہ وہاں پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کیا رکاوٹ؟ کیوں اس کی مخالفت کی جاتی ہے؟ بعض اوقات ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ اسرائیل کی طرف سے ساری دنیا میں پھیلایا گیا ہے کہ ہم اس زمین کے وارث ہیں، لہٰذا ہم اس بات کے حق دار ہیں کہ یہاں پر حکومت قائم کریں۔

میں یہ بات واضح کردوں کہ فلسطین کے اوپر بنی اسرائیل کی حکومت صرف ۹۹ ننانوے سال رہی ہے۔ ہزاروں سال کی تاریخ میں فلسطین پر بنی اسرائیل کی حکومت صرف ۹۹ ناوے سال قائم رہی۔ اس سے پہلے فلسطین کے جو اصل باشندے ہیں وہ کنعانی ہیں۔ کنعانی وہ قوم ہے جو جزیرۂ عرب سے منتقل ہو کر فلسطین میں آ کر آباد ہوئی۔ گویا اس کی جو ابتدا ہے وہ ان عربوں سے ہوئی ہے جو وہاں سے منتقل ہو کر فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور صدیوں اس میں مقیم رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد حضرت سموئیل علیہ السلام کی سرکردگی میں فلسطین کو فتح کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر ۹۹ ننانوے سال بنی اسرائیل نے حکومت کی۔ اگرچہ وہ حکومت ٹوٹتی پھوٹتی رہی اور اس کے اندر مختلف دراڑیں پڑتی رہیں۔ خود ان کی بداعمالیاں کہ انہوں نے اس میں انبیاء کرام کو قتل کیا۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے کہ اپنے دور حکومت میں انہوں نے انبیاء کرام کو قتل کیا ہے۔ اب بھی ان کی تاریخ جو عہد نامہ قدیم بائبل کے اندر موجود ہے کہ انہوں نے اس ننانوے سال کی تاریخ میں ہزاروں انبیاء کا قتل کیا ہے۔ فلسطین کے اوپر یہودیوں کی ننانوے سال میں جو آخری حکومت ختم ہوئی اس کو ۱۸۰۰ رانٹھارہ سو سال گزر گئے ہیں یعنی ایک ہزار آٹھ سو سال۔ ان ایک ہزار آٹھ سو سال کے دوران ایک لمحے کے لئے بھی فلسطین میں یہودیوں کی حکومت موجود نہیں رہی۔ اب اٹھارہ سو سال کے بعد ایک آدھ آدمی یہ کہتا ہے کہ اجی! چونکہ میرے آباؤ اجداد وہاں پر مقیم رہے تھے، لہٰذا میں حق دار ہوں کہ اس وقت یہاں جو باشندے ہیں انہیں نکال باہر کروں اور میں حکومت کروں۔ [۱۷]

---

[۱۷] یہودی بستی: مدینے سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو بنی نضیر کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو ناز تھا۔ حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرلیا کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے حتی کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ ورسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدار کا کام تمام کردیا۔ پھر بھی بنی نضیر کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغابازی سے حضور ﷺ کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ جہاں بیٹھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا۔ ...﴿بقیہ اگلے صفحے پر﴾...

مذکورہ بھونڈے اصول کے نتائج

یہ فلسفہ اگر ایک مرتبہ تسلیم کرلیا جائے تو بتاؤ موجودہ دنیا کا کیا حال بنے گا؟ پھر ریڈ انڈینز کہیں گے کہ امریکا کے اوپر ہماری صدیوں حکومت رہی ہے اور اس کو بہت زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تو اب ہمارا حق ہے کہ ہم امریکا کے باشندوں کو امریکا سے نکال کر ریڈ انڈینز کی حکومت قائم کریں۔ پھر ایک ملک کے اوپر موقوف نہیں بلکہ ساری دنیا کے ممالک میں اگر یہ اصول تسلیم کرلیا گیا تو موجودہ حکومت تو ختم ہوجائے گی اور وہ اٹھارہ سو سال پہلے کے لوگ آ کر آباد ہوں اور آباد ہوکر اپنی زمین سے موجود باشندوں کو نکالیں! یہ آخر دنیا کے اندر کوئی تسلیم کرسکتا ہے؟

لیکن یہ فلسفہ صرف اسرائیل کے حق میں تسلیم کیا گیا جب کہ اسرائیل یعنی بنی اسرائیل اور یہ یہودی دنیا کے مختلف ملکوں انگلینڈ، فرانس، سوئزرلینڈ اور روس وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ سب جمع کر کے اکٹھے لاکر یہاں پر بسائے جائیں گے اور یہاں بسانے کے لئے اگر یہاں کے باشندوں کا قتل عام کرنا پڑا تو قتل عام بھی کیا جائے گا۔

اسرائیل کا قیام اور قتل عام

چنانچہ سن ۱۹۴۸ء کے اندر سب سے زیادہ حصہ برطانیہ اور اس کے ساتھ امریکا کا، انہوں نے مل کر اس ناجائز بچے کی پرورش کرنا شروع کی۔ سن ۱۹۴۸ء کے اندر اسرائیل کا اعلان کیا۔ ادھر اسرائیل میں بنگوریون

...﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾... اگر لگے تو آدمی مرجائے مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی۔ آخر حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ ارادہ یہ کہ ان سے لڑیں۔ جب مسلمانوں نے نہایت سرعت ومستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کرلیا وہ مرعوب وخوف زدہ ہوگئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ ان یہودیوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی۔ آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کردیں۔ چنانچہ انہوں نے تنگ آ کر جلاوطن ہونا منظور کرلیا۔ آپ ﷺ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کا حکم دے دیا کہ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائے گا اور بجز ہتھیار کے جتنا سامان وہ ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں، ہتھیار ضبط کرلئے جائیں گے۔

باقی مکان، زمین، باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وہ زمین مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی، صرف حضرت ﷺ کے اختیار پر رکھی۔ آنحضرت ﷺ نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کردیں۔ اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا اور مہاجرین وانصار دونوں کو فائدہ پہنچا۔ نیز حضرت ﷺ اپنے گھر کا اور وارد وصادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اول الحشر سے یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لئے اس طرح ترک وطن کرنے اور جلاوطنی کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا یا اول الحشر میں اس طرف اشارہ ہو کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہوگا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا یعنی دوسرے یہود ونصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر بھی ہونا ہے اسی لئے شام کو ارض المحشر بھی کہتے ہیں۔ ...﴿بقیہ اگلے صفحے پر﴾...

(Ben-Gurion) جو اس وقت کا وزیر اعظم بنا تھا اس نے اِدھر اسرائیل کی ریاست قائم ہونے کا اعلان کیا۔

اس کے دو گھنٹے بعد امریکا نے فوراً تسلیم کرلیا کہ ہاں ہم اس ریاست کو مانتے ہیں جبکہ اسرائیلی ریاست کا قیام دیر یاسین کے مذبح کے بعد آیا تھا، جس میں بے شمار بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کیا گیا تھا، ان کو گھروں سے نکالا گیا تھا، اس کے بعد یہ قائم ہوا تھا۔

...﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾... واضح رہے کہ سب سے پہلے تو حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں کو شہر مدینہ سے نکال دیا، اس لیے ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں، جس کو حضور ﷺ نے نکالا ہے اس کی کہیں پناہ نہیں ہے۔ نہ ان کو دنیا میں پناہ ملے گی اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

یہودیوں کی ۱۰۰۰ سالہ تاریخ

گزشتہ 1000 سال کی تاریخ
1080 میں فرانس سے فرار
1098 میں چیک ریپبلک سے فرار
1113 میں کیوان روس سے فرار
1113 میں یہودیوں کا قتل عام
1147 میں فرانس سے نکال دیا۔
1171 میں اٹلی سے فرار
1188 میں انگلینڈ سے نکال دیا گیا۔
1198 میں انگلینڈ سے فرار
1290 میں انگلینڈ سے فرار
1298 میں سوئٹزرلینڈ سے نکال دیا گیا (100 یہودیوں کو پھانسی دی گئی)
1306 میں فرانس سے بے دخل کیے گئے 300 یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔
1360 میں ہنگری سے فرار
1391 میں اسپین سے بے دخل کیا گیا (3000 یہودیوں کو پھانسی دی گئی، 5000 کو زندہ جلا دیا گیا)
1394 میں فرانس سے فرار
1407 میں پولینڈ سے بے دخل کیا گیا۔
1492: اسپین سے بے دخل (یہودیوں کے اسپین میں داخلے پر ہمیشہ کے لیے پابندی لگانے کا فیصلہ کیا گیا)
1492 میں سسلی سے بے دخل کیا گیا۔
1495 میں لیتھوانیا سے نکال دیا گیا۔
1496 پرتگال سے خروج
1510 میں انگلینڈ سے فرار
1516: پرتگال سے دوبارہ اخراج
1516 میں سسلی میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کے تحت یہودیوں کو صرف یہودی بستیوں میں رہنے کی اجازت دی گئی۔
1514 میں آسٹریا سے فرار
1555 میں پرتگال سے نکال دیا گیا۔
1555 میں روم میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کے تحت یہودیوں کو یہودی بستیوں میں رہنے کی اجازت دی گئی۔
1567 میں اٹلی سے بے دخل کیا گیا۔
1570 میں جرمنی (برانڈنبرگ) سے نکال دیا گیا۔
1580 میں نوگوروڈ (اور ڈی ٹیریبل) سے بے دخل
1592 میں فرانس سے نکال دیا گیا۔
1616 میں سوئٹزرلینڈ سے نکال دیا گیا۔
1629 میں اسپین اور پرتگال سے نکال دیا گیا (پلٹائیں IV)
1634 میں سوئٹزرلینڈ سے نکال دیا گیا۔
1655 میں سوئٹزرلینڈ سے دوبارہ بے دخل کیا گیا۔
1660 میں کیف سے خروج
1701 میں سوئٹزرلینڈ سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا گیا (پلٹائیں V)
1806 میں نپولین کا الٹی میٹم
1828 میں کیف سے فرار
1933 میں جرمنی سے بے دخلی اور نسل کشی۔
14 مئی 1948 کو فلسطین نے اپنے ملک میں یہودیوں کو پناہ دی۔

یہ یہودیوں کی تاریخ ہے۔

حق کا دعوی_ سیاسی غلطی ہے

لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا حق ہے یہ دعوی سیاسی طور پر بھی غلط ہے، کیونکہ اٹھارہ سو سال سے ان کی کوئی حکومت وہاں پر نہیں تھی بلکہ اس دوران کچھ عرصے عیسائیوں نے اور کچھ عرصے مسلمانوں نے حکومت کی۔

مسلمانوں کی حکومت کے دوران، ان کو پرامن طریقے سے مختلف جگہوں پر آباد کیا گیا البتہ خلافت عثمانیہ کے زمانے میں سلطان عبدالحمید رحمہ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ میں ان کو یہ نہیں کرنے دوں گا کہ وہاں جا کر اپنی آبادیاں بنائیں، لہٰذا انہوں نے یہ نہیں کرنے دیا لیکن خلافت عثمانیہ کے جس حصے میں بھی جہاں کہیں یہودی آباد تھے انہیں مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اپنے مذہب پر عمل کریں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کے اوپر کوئی ظلم وستم کیا جارہا ہو۔ اٹھارہ سو سال کے بعد یہ بچھڑے ہوئے یہودی کہتے ہیں کہ اب ہمیں اس کا حق ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ غلط ہے۔ میں نے عرض کردیا۔

حق کا دعوی_ دینی اور تاریخی اعتبار سے بھی غلطی ہے

دوسری بات جو کہی جاتی ہے وہ دینی اعتبار سے کہ یہاں پر حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے ہیکل تعمیر کیا تھا۔ ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے بنایا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصی تعمیر کی تھی۔ لیکن یہ بہت بڑا مغالطہ ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصی حضرت سلیمان یا حضرت داود علیہ السلام نے تعمیر کی تھی۔

بیت اللہ اور بیت المقدس کے بانی ومجدد

حقیقت میں صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گھر بنائے تھے ایک گھر مکہ مکرمہ میں بیت اللہ اور اس کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی پھر چونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر اس کی نئی تعمیر فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد حرام کے بانی نہیں تھے بلکہ وہ مجدد تھے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان آثار کی تجدید وتعمیر کی جو آثار مٹ گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حکم ہوا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بیت المقدس کے بانی نہیں ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کعبے کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی تھی اسی طرح بیت المقدس کی تعمیر بھی حضرت آدم

علیہ السلام نے کی۔لیکن اس کے آثار مٹ گئے تھے تو حضرت داود اور حضرت سلمان علیہما السلام نے اس کی تجدید فرمائی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تجدید فرمائی تھی۔لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ یہ بنی اسرائیل نے تعمیر کی ہو۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے تعمیر کی اور وہ ہمارے بھی پیغمبر ہیں تو اس لئے اس کی بنا پر یہودیوں کو اس پر دعوی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جب کہ ان کی کتاب جس کو وہ تورات اور عہد نامہ قدیم کہتے ہیں، اس کے اندر یہ مذکور ہے کہ سلیمان علیہ السلام آخر میں مرتد و کافر ہو گئے تھے، بت پرستی اختیار کر لی تھی۔ایک طرف ان کی تورات یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مرتد و کافر ہو گئے تھے، بت پرستی کرنا شروع کر دی تھی۔ [۱۸]

قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا ○

سلیمان علیہ السلام کافر نہیں ہوئے تھے لیکن شیاطین کافر ہوئے تھے۔

ایک طرف تو ان کو کافر، مرتد اور بت پرست کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی یادگار ہے اس واسطے ہم اس کے حق دار ہیں۔

چنانچہ نہ سیاسی اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے اور نہ دینی اعتبار سے ان کا کوئی حق بنتا ہے۔لیکن امریکا اور برطانیہ نے عالم اسلام کو منتشر کرنے کے لئے عالم اسلام کے دل میں لا کر ایک ناسور پیدا کرنے کے لئے اسرائیل کو قائم کیا اور اس وقت سے مسلسل بغیر کسی توقف کے وہ وہاں کے باشندوں اور فلسطینیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھو رہا ہے، اس لئے ان حضرات نے ایک عرصہ دراز تک، ۳۵ پینتیس سال تیاری کرنے کے بعد پھر یہ حملہ کیا اور اس حملے کے نتیجے میں جیسا کہ بالکل واضح تھا کہ اسرائیل کی طرف سے بھی اس کا مقابلہ ہوگا اور اس میں بہت سی شہادتیں ہوں گی اور وہ ہو رہی ہیں۔

کربناک المیہ

وہ ایک بہت بڑا المیہ ہے لیکن اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلام جس کے استحکام کی خاطر حماس کے مجاہدین میدان میں اترے ہوئے ہیں پورا عالم اسلام اس بارے میں خاموش ہے۔بیانات بے شک دے دیئے گئے ہیں۔تقریریں ہم بھی کر رہے ہیں لیکن ایسی کوئی عملی امداد واقدام کہ جس سے ان کو فائدہ پہنچے وہ نہیں پہنچ رہی۔

---

[۱۸] بائبل، کتاب سلاطین اول ۱۱-۱ تا ۱۱ وآسان ترجمہ قرآن، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۱۰۲، ح: ٦٦.

جنگ کے لئے حکمت عملی اور تدبر

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی خطے پر غیر مسلم حملہ آور ہوں تو سارے مسلمانوں پر الأقرب فالأقرب جہاد فرض ہوجاتا ہے، یعنی سب سے پہلے اس خطے کے ساتھ رہنے والے جو مسلمان ہیں ان پر جہاد فرض ہوجاتا ہے اگر وہ کافی نہ ہوں تو ان کے برابر والوں پر، وہ کافی نہ ہوں تو ان کے برابر والوں پر، اس لحاظ سے جو قریب کے ممالک ہیں ان کے اوپر جہاد فرض ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جہاد بقدر استطاعت فرض ہوتا ہے۔ جس میں جتنی استطاعت ہو وہ اسی استطاعت کے مطابق جہاد میں شریک ہو، لہٰذا ان کی جانی، مالی اور دفاعی امداد تمام مسلمان ملکوں کے اوپر فرض ہے لیکن اس کے لئے ایسی حکمت عملی ضروری ہے جس سے ان کو فائدہ پہنچے نقصان نہ پہنچے۔ اس حکمت عملی کے لئے عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ سر جوڑ کر ایسی حکمت عملی تیار کرے۔

امید نو

الحمد للہ خود ہماری حکومت پاکستان ایسی فوجی طاقت رکھتی ہے جو بہت کم ملکوں کو میسر ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ان کی امداد کرے لیکن امداد ایسی حکمت کے ساتھ کرے کہ جس سے اس کو فائدہ پہنچے، نقصان نہ پہنچے اور اس کا طریقہ اس طرح نہیں ہے کہ برسر عام جاکران کے گھر پر میزائل داغ دیئے جائیں بلکہ اس کے لئے حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ میں اس وقت اتنا ہی اشارہ کرسکتا ہوں کہ حکمت عملی کی ضرورت ہے اور اس حکمت عملی کے ساتھ ان کی امداد بشمولِ پاکستان ہر مسلمان ملک پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے۔

میں اپنی فوج کے بارے میں اتنی بات جانتا ہوں کہ بنیادی طور پر وہ مسلمان ہیں اور ان کے اندر ایمانی جذبات بھی ہیں، لہٰذا یہ بات مجھے مستبعد لگتی ہے کہ وہ اس معاملے میں بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہوں اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی حکمت عملی تیار نہ کی ہو۔

مجھے امید ہے ان شاء اللہ وہ حکمت عملی تیار کی ہوگی، خدا کرے ایسا ہی ہو، ورنہ اگر ایک مرتبہ اسرائیل اس وقت کامیاب ہوگیا تو وہ صرف فلسطین تک محدود نہیں رہے گا بلکہ وہ پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور یہ ایسا سانپ ہے کہ اس کا سر اگر اس وقت نہ کچلا گیا تو پھر وہ دوسرے ملکوں کو ڈسنے کے لئے آگے بڑھے گا۔

حکمت عملی اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے

لہٰذا سارے مسلمان ملکوں کو ایسی حکمت عملی تیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے اس فتنے کا خاتمہ

ہو سکے پھر جو عام مسلمان ہیں ان میں خود وہاں جا کر تو لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر چلے بھی جائیں تو فائدہ کوئی نہیں لیکن جو امداد پہنچا سکتا ہے وہ امداد اس کو پہنچائے۔

ایک چھوٹی سی کوشش ہم نے بھی شروع کی ہے، کچھ مالی امداد ان لوگوں کو پہنچانے کی جو غزہ میں مصیبتوں کا شکار ہیں الحمد للہ وہ پہنچ بھی رہی ہے۔ اس میں اگر حصہ لینا چاہیں تو لیں اور ساتھ میں دعاؤں کا اہتمام کریں۔ یہ سوچو کہ اگر ہمارے اوپر بمباری ہو رہی ہو، ہمارے بچے اور بوڑھے شہید ہو رہے ہوں، ہماری عورتیں شہید ہو رہی ہوں تو کیا ہم چین سے بیٹھ جائیں گے؟ تو اس لئے جو کام بس میں ہے امداد وہ کر لی جائے اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا جائے۔ بندے کا کام یہی ہے کہ اپنی امکانی کوشش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس آیت کا مظاہرہ اس موقعہ پر دکھا دے کہ:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ [19]

نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ:

مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

[19] سورة البقرة، الآية: ٢٤٩

اسرائیلی جنگی جرائم

مظلوم فلسطین

اور

ہماری ذمہ داریاں

اس میں مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا کوشش کا حصہ ہے، فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہودی اور اسرائیل کی جنگی جرائم کو اجاگر کر کے حالت جنگ میں اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے انسانوں تک پہنچانا، مغربی دنیا کا متحد ہو کر بین الاقوامی قوانین کے پرفریب مفادات کا حصول اور اگر مسلم امت مداخلت کریں تو اسرائیل کا نام ونشان مٹ سکتا ہے، کیونکہ اسرائیل کسی بھی اعتبار سے جائز حکومت نہیں ہے بلکہ امریکا اور برطانیہ کی آلۂ کار ایک نوآبادی ہے، اسرائیل امریکا اور برطانیہ کی فوجی چھاؤنی اور مغربی آقاؤں کا ناجائز پروردہ ہے۔ اس مختصر خطاب میں مسلمانوں کی ذمہ داری اور لائحہ عمل شامل ہے۔

خطاب جمعہ مبارک ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ (27 اکتوبر 2023ء)

جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

میرے محترم بزرگوں بھائیو اور دوستو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اسرائیل کے ناپاک منصوبے کی عکاسی

آج ہم سب ایسے پرآشوب دور سے گزر رہے ہیں جس میں تقریباً ہر مسلمان کو اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو جو طرح طرح کے فتنے اور مسائل ہیں، ان کی وجہ سے طرح طرح کی پریشانیاں درپیش ہیں۔

اس وقت فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ غزہ کے شہر کو اسرائیل کی جارحیت اور وحشیانہ بمباری نے تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ براہ راست شہریوں کی عمارتوں پر گولے برسانے کا سلسلہ متواتر جاری ہے۔ ہر چند گھنٹوں کے بعد کسی مسلمان فلسطینی آبادی کے علاقے پر بمباری کی جاتی ہے، اس بمباری میں بلا امتیاز مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور بیمار، سب شہید ہو رہے ہیں، اور اب تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق تقریباً دس ہزار سے زیادہ فلسطینی اس بمباری میں شہید ہو چکے ہیں۔

بین الاقوامی جنگی قانون

جنگ کا بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ مدنی و شہری آبادی پر بمباری کرنا قانوناً منع ہے۔ یہ جنگی جرائم میں شمار ہوتا ہے اور فاسفورس بم برسانا جس سے آگ لگے، یہ سب بین الاقوامی قوانین کے تحت ممنوع ہے۔ اسپتالوں، عبادت گاہوں اور تعلیمی اداروں پر بمباری قانوناً منع ہے۔ یہ قانون جو بین الاقوامی طور پر بنایا گیا اس کے بنانے والوں کو تو بہت بعد میں ہوش آیا۔

بعثت سے پہلے جنگ وجدل اور بربریت

اصل میں نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے جو جنگیں ہوتی تھیں اس میں کوئی اخلاقی قدر اور پابندی موجود

نہیں تھی۔ اگر دشمن ہے تو جس طرح چاہو اسے مارو اور قتل کرو۔ عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، بالغ ہو یا نابالغ، لڑنے والا ہو یا لڑنے والا نہ ہو، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا تھا اور قتل کرنے کے بھی مختلف وحشی طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔

تاریخ اسلام میں شارع علیہ السلام کی جنگی قواعد کی ترتیب

دنیا کی تاریخ میں پہلی بار جناب نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے اس وقت جنگ کے قواعد مقرر کئے جب کہ آپ کے دشمنوں کو ان قواعد کا کوئی خیال نہیں تھا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دشمن غلطی کر رہا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے لیکن ہم بحیثیت مسلمان اللہ کے حکم کے تابع ہیں، لہٰذا جو لشکر بھی آپ روانہ فرماتے تو اس کو یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ خبردار! کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بچے، بوڑھے کو نہ مارنا اور کسی عبادت کرنے والے کو نہ مارنا، چاہے وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر رہا ہو۔ اگر کلیسا کے اندر کوئی عبادت کر رہا ہے تو اس کو بھی مارنے کی اجازت نہیں۔ [۲۰]

دنیا کی تاریخ میں پہلی بار رحمۃ للعالمین ﷺ نے جنگ کے قواعد مرتب کر کے فرمایا کہ جنگ کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ قتل عام شروع کر دو، جس کو چاہو مارو اور قتل کر دو بلکہ اس کے لئے جنگی قوانین مقرر فرمائے۔ صحابہ کرام اس کے ایک ایک لفظ کی مکمل پیروی فرماتے تھے۔ چنانچہ اگر لڑائی کے دوران کوئی ایسی عورت سامنے آجاتی جو لڑائی میں شریک نہیں ہے، اسی طرح کوئی بوڑھا یا کوئی عبادت گزار سامنے آجاتا تو جنگ کے جوش و خروش میں بھی ہاتھ رک جاتا تھا۔ یہ جنگی قواعد دنیا میں سب سے پہلے رسول کریم ﷺ نے متعارف کروائے۔

معاہدے کی اہمیت اور بے نظیر مثال

نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم بھی دی کہ معاہدے کی پابندی کرو، معاہدے کے خلاف کا کوئی کام نہ کرو اور اس امت نے اس میں ایسی روشن مثالیں پیش کیں جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے زبردست مدبر حکمران تھے اور روم کی جو طاقت تھی اس کو انہوں نے ہی توڑا

---

[۲۰] أن النبي ﷺ كان اذا بعث جيشا قال: ((انطلقوا بسم الله وبالله، وفي سبيل الله، تقاتلون من كفر بالله، أبعثكم على أن لا تغلوا، ولا تجبنوا، ولا تمثلوا، ولا تقتلوا وليدا، ولا تحرقوا كنيسة، ولا تعقروا نخلا)) وبعث انسانا الى انسان أن يكذب عليه باليمن فقال: ((حرقوه)) ثم قال: ((لا تعذب بعذاب الله)). مصنف عبد الرزاق، كتاب الجهاد، باب دعاء العدو، رقم: ۹۴۳۰؛ ج: ۵، ص: ۲۱۹.

تھا لیکن وہاں کے کچھ لوگوں کے ساتھ کچھ دنوں کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ ہوگیا یعنی یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ اتنی مدت تک ہم آپس جنگ نہیں کریں گے۔ چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے سیاسی مدبر تھے اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ جنگ بندی جس تاریخ میں ختم ہورہی تھی اس سے ایک دو دن پہلے اپنی فوجیں لاکر سرحد پر ڈال دیں اور یہ کہا کہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تو نہیں کرنی لیکن جونہی مدت ختم ہوتو تم فوراً دشمن پر حملہ کردینا تاکہ اس پر اچانک حملہ ہو تو وہ اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔

چنانچہ فوجی لشکر وہاں پڑا ہوا تھا۔ ادھر اس تاریخ کا سورج ڈوبا ادھر انہوں نے رومی حکومت کے علاقے میں حملہ کردیا۔ حملہ ان کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ اس خیال میں تھے کہ ابھی جنگ بندی کی مدت ختم ہوئی ہے، فوجیں بعد میں آئیں گی پھر کہیں جنگ ہوگی اور ابھی اچانک حملہ نہیں ہوگا لیکن جب اچانک حملہ ہوگیا تو بہت جلدی فتح ہوتی چلی گئی اور اس دوران کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سے علاقے فتح کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں کہ پیچھے سے ایک گھڑسوار دور سے باآواز بلند کہتا ہے:

قِفُوْا يَا عِبَادَ اللهِ: اے اللہ کے بندو ٹھہرو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رک گئے اور لشکر کو رکنے کا حکم دیا۔ جب وہ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔

جنگ بندی/ معاہدہ کی پاسداری

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جو آپ نے اقدام کیا ہے کہ جنگ بندی کے فوراً بعد حملہ کردیا یہ رسول کریم ﷺ کے ارشاد کی خلاف ورزی ہے۔ اس لئے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو اپنے کانوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا، وَلَا يَشُدَّنَّهُ
حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ. [۲۱]

جب کسی قوم کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ ہو تو اس مدت میں اس قوم کے خلاف فوجی تیاری بھی جائز نہیں۔ اس مدت میں آپ گھوڑوں پہ زین بھی نہیں لگا سکتے، آپ اپنی جگہ پر اپنے ملک میں بھی گھوڑوں کا لشکر تیار نہیں کرسکتے، لہٰذا آپ نے یہ جو علاقہ فتح کیا ہے یہ رسول کریم ﷺ کے ارشاد اور معاہدہ کے خلاف ہے۔

جوں ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ فوجیں واپس چلی

---

[۲۱] سنن الترمذي، باب ما جاء في النذر، أبواب السير، رقم: ۱۵۸۰.

جائیں اور جو علاقہ فتح کیا تھا وہ علاقہ لوٹا دیا، کیوں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جنگ کے کچھ قواعد بنائے اور جتنے جہاد ہوئے ان سب میں صحابہ کرام کی طرف سے ان قواعد، اخلاق اور ان ہدایات کی پوری پابندی کی گئی۔

مثلہ کی ممانعت

جب کسی دشمن کے اوپر وار کرو تو قتل کرنا تو جائز ہے لیکن لا تمثلوا: مثلہ نہ کرنا یعنی اس کی ناک، کان، آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کاٹ دیئے، یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی جنگ کے دوران اپنے دشمن کے بھی ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو مت کاٹنا، یہ تعلیم اور حکم بھی دیا گیا تھا۔ [٢٢]

قریش کے لوگوں نے جنگ احد میں بہت سے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مثلہ کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا گیا تھا اور اس وقت ابوسفیان کافر تھے، انہوں نے بڑے ڈھیٹ انداز میں رسول کریم ﷺ سے خطاب کر کے کہا تھا:

سَتَجِدُوْنَ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةً لَمْ آمُرْ بِهِ وَلَمْ يَسُؤْنِي

ہم نے بعض لوگوں کا مثلہ کیا ہے یعنی ان کے اعضاء کاٹے ہیں، میں نے اس کا حکم تو نہیں دیا تھا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا۔ [٢٣]

وہاں انہوں نے مثلہ کیا تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مثلہ کرے۔ یہ قوانین ساری تاریخ انسانی میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے وضع فرمائے۔

بین الاقوامی قوانین مغرب کی پرفریب مفادات کی تکمیل ہے

یہ موجودہ سارے بین الاقوامی قوانین صدیوں کے بعد بنے ہیں لیکن یہ تو صرف بڑی بڑی طاقتوں کو تحفظ دینے کے لئے ہیں۔ آپ کھلی آنکھوں یہ صورت حال دیکھ رہے ہیں کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مریضوں کو مارا جا رہا ہے، مسجدوں، اسپتالوں اور کلیساؤں پر حملے ہو رہے ہیں اور اس طرح بمباری کی جا رہی ہے کہ وہ خود بخود مثلے کے مرادف ہے۔ کسی کا ہاتھ کسی کا پاؤں کٹا ہوا ہے۔

---

[٢٢] لا تمثلوا بعبادي. مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الديات، المثلة في القتل، رقم: ٢٧٩٣٦، ج: ٥، ص: ٤٥٢.

[٢٣] صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما يكره من التنازع والاختلاف في الحرب، وعقوبة من عصى أمامه، رقم: ٣٠٣٩)

فلسطین میں جنگی ماحول

سرزمین انبیاء فلسطین میں لوگوں کے ذوقِ شہادت کا میں نے یہ حال دیکھا کہ نوجوان بچے اپنے ہاتھوں پر اپنا نام ذوق وشوق سے ہنس ہنس کر لکھوا رہے ہیں، یہ اس لئے لکھوا رہے ہیں کہ اگر بمباری میں ہم کہیں ملبے کے نیچے دب کر شہید ہو جائیں اور ہماری لاش سامنے آئے تو کم از کم ہمارا پتا چل جائے گا کہ یہ فلاں شخص ہے فلاں کا بیٹا ہے۔ ان بچوں کے اوپر بمباری ہو رہی ہے جن کی ضروریات زندگی بجلی، پانی بند ہے اور ان کے لئے پانی کا ہر قطرہ روک دیا گیا ہے۔ یہ سب جارحیت کھلی آنکھوں اور دھڑلے سے ہو رہی ہے۔

یہ بین الاقوامی قوانین و اخلاق اور انسانی حقوق کے علم بردار اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم فلسطینیوں کے اوپر خوب ظلم کرو۔

پرآشوب حالات

ہم اس وقت ان حالات میں ہیں کہ جب ہم فلسطین اور مسلمانوں کی خبریں سنتے ہیں تو کون سا مسلمان ایسا ہوگا جس کا دل روتا نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق دنیا کے کسی بھی خطے میں کسی مسلمان بھائی کے اوپر ظلم ہو رہا ہو تو ہر مسلمان کے دل میں اس کی تڑپ ہونی چاہئے۔ مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا ہے۔ جیسے ایک جسم میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے چین متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہماری حالت ہونی چاہئے۔

بے بسی اور بے کسی میں اہل غزہ روندے گئے

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم سب بس کڑھتے ہیں، صدمے سے دوچار، غمگین اور پریشان ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے لئے کوئی راستہ سمجھ نہیں آتا کہ اس بے چینی کو دور کرنے کا کیا راستہ ہوگا؟ کیونکہ نہ ہم میں طاقت ہے اور نہ ہم جنگی امور کو جانتے ہیں کہ کوئی جنگی تربیت لی ہو اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسے وسائل ہیں کہ وہاں تک پہنچ جائیں اور اگر پہنچ بھی جائیں تو جا کر سوائے اس کے کہ ہم ان کے لئے مسئلہ بنیں کوئی اور ان کی مدد کر نہیں سکتے، کیونکہ ہمیں جنگی مہمات نہیں آتیں اور آج کی جنگ تلوار اور تیر کی جنگ نہیں ہے بلکہ ٹیکنالوجی کی جنگ ہے، جس سے ہم واقف نہیں ہیں، لہٰذا ہم یہاں بیٹھے ہوئے سوائے غم زدہ، رنجیدہ اور پریشان ہونے کے اور کوئی راستہ ہماری سمجھ نہیں آتا۔

مسلم ممالک کی مجرمانہ خاموشی

لیکن افسوس ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک ۵۵ ریچپن مسلمان ملک پھیلے ہوئے ہیں وہ سب خاموش بیٹھے ہیں۔ خاموش اس معنی میں کہ حمایت میں بیان ضرور دے دیا کہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہورہی ہے، ظلم بند کرو لیکن کوئی عملی قدم ابھی تک نظر نہیں آرہا۔ اس کی وجہ سے ہم اور زیادہ پریشان ہوتے ہیں چنانچہ عالمی سطح پر ہر مسلمان کو یہ پریشانی درپیش ہے۔

پاکستان اور درون خانہ

اپنے ملک کا حال یہ ہے کہ وہ انحطاط کے ادنی درجے کو پہنچا ہوا ہے، معاشی بدحالی ہے، معاشی اعتبار سے ملک دیوالیہ ہونے کے قریب ہے، آئی ایم ایف (IMF) کے شکنجے میں کسا ہوا ہے، سیاسی اعتبار سے عدم استحکام ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟ کہاں انتخابات ہوں گے؟ ہوں گے یا نہیں؟ کب ہوں گے؟

فکرِ تن پوشی

ہر مسلمان پریشان حال ہے کہ گرانی کا طوفان مسلط ہے، ایک تنخواہ دار انسان کے لئے اپنی جان اور تن کا رشتہ قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ لوگوں کو روٹی اور کھانا نہیں مل رہا۔ پہلے سبزی اور دال کھالیا کرتے تھے لیکن اب وہ سبزی اور دال بھی کمر توڑ حد تک مہنگی ہوگئی۔ اس میں جو خود مبتلا ہیں وہ بھوک اور فاقہ مستی کی وجہ سے پریشان ہیں اور جو کچھ کھانے پینے والے لوگ ہیں وہ ان کی حالت کو دیکھ کر رنجیدہ ہیں۔ غرض پریشانیوں اور تفکرات کا ایک جہاں ہے جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں۔

اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے؟

یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہم جیسے عامی آدمی جن کے پاس اقتدار کی باگ ڈور نہیں، جن کے پاس یہ وسائل نہیں کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی جا کر خود مدد کرسکیں اور نہ اس بات کے وسائل ہیں کہ ہم اپنی قوم و ملک کے جو مہنگائی کے مارے لوگ ہیں ان کی امداد کرسکیں اور اپنے ملک کو پٹڑی پر لاسکیں۔ یہ ہمارے بس میں نہیں۔ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

ایک گزارش اور تقاضائے حال

گزارش یہ کرنی ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت و پریشانی آئے تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے جس شخص کے اختیار میں جو کچھ ہے وہ کام اس کے ذمہ فرض ہے۔

مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں فساد کی ایک بہت بڑی وجہ رشوت خوری ہے۔اب ہر مسلمان جو دن رات اپنی پریشانی کا تو اظہار کرتا ہے کہ ملک دیوالیہ ہوگیا، فلاں حکومت نے نقصان پہنچا دیا، فلاں حکومت نا اہل ہے وغیرہ وغیرہ لیکن خود اس کا اپنا جو کام تھا کہ رشوت لینا بند کردے وہ چھوڑے ہوئے ہے اور مجلسوں میں بیٹھ کر تبصرے ہو رہے ہیں کہ فلاں حکومت جا رہی ہے، فلاں آگئی، فلاں اچھی تھی اور فلاں بری ہے۔ یہ تبصرے ہو رہے ہیں لیکن میرے کرنے کا جو کام ہے کہ میں رشوت لینا اور حرام کھانا چھوڑ دوں، اس کی طرف توجہ نہیں تو نتیجہ تو یہی نکلے گا کہ پریشانی گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھے گی۔تو ہر شخص اپنا فرض منصبی اپنی جگہ پر ادا کرے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری/ لائحہ عمل

پہلا کام یہ کہ جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو۔ مثلا مظلوم فلسطینیوں کے لئے ظاہری اسباب میں ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ راستہ یہ ہے کہ اپنی حکومتوں، اپنے برسر اقتدار لوگوں کو اور جن کے پاس فوجی طاقت ہے ان کو متوجہ کریں کہ بھئی ساری مغربی دنیا حواریوں سمیت متحد ہو کر پوری توانائی کے ساتھ فلسطینیوں کو مٹانے کی کوشش میں ہے اور مٹا رہی ہے، اس موقعہ پر اگر مسلمان آپس میں متحد ہو کر کوئی موقف اختیار کریں اور اس میں مداخلت کریں تو اسرائیل کا نام ونشان مٹ سکتا ہے، کیونکہ اسرائیل کسی بھی اعتبار سے جائز حکومت نہیں ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم کم از کم ان کے مصیبت زدہ، ستم رسیدہ بھائیوں کو کچھ مالی امداد فراہم کر دیں۔

اس کا تھوڑا بہت سلسلہ ہم نے شروع کیا ہے۔ وہاں پر رقم پہنچانا آسان نہیں ہے کہ ادھر ہم نے رقم دی اور ادھر وہ وہاں پہنچ گئی۔ بلکہ اس کے بہت سے مراحل ہیں جنہیں طے کر کے وہاں پہنچتی ہے اور الحمدللہ دھیرے دھیرے پہنچ رہی ہے۔

اگر ہمارے بس میں یہ ہے کہ ہم ان کی مدد کریں تو ان کی مالی مدد کریں اور پاکستان کے حالات کے لحاظ سے جس کے قبضے اور اختیار میں جو کچھ بہتری ہے وہ اپنا فرض منصبی ادا کرے۔

دوسرا یہ کہ ایسے موقع پر اللہ جل جلالہ سے لو لگائے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ بڑا معنی خیز جملہ استعمال فرمایا ہے کہ فَفِرُّوْا إِلَى اللهِ، اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ بھاگنے کا لفظ استعمال کیا۔ مطلب یہ کہ پریشانیاں تمہیں لاحق ہیں اور تم اس کی وجہ سے رنجیدہ اور غمگین ہو، سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ تو راستہ یہ ہے کہ بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلے جاؤ۔ کم از کم کچھ دیر اپنے ذہن کو خالی کر کے، اپنے تمام تعلقات اور معمولات کو خیر باد کہہ کر کچھ دیر خلوت اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ میں ان مصیبتوں سے بھاگ کر آپ کے پاس آیا ہوں تو یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے ہماری یہ پریشانیاں دور فرمادیں۔

دعا تو مومن کا ہتھیار ہے لیکن زبان پر دعا ہے اور دماغ کہیں اور ہے تو اس طریقے سے دعا نہیں ہوتی۔ لوگ دعا پڑھتے ہیں مانگتے نہیں۔ دعا پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ مانگنے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو جیسے کوئی بھکاری مانگتا ہے۔ اس طرح چند لمحات باری تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارو کہ یا اللہ ہم ان مصائب ومشکلات میں پھنس گئے ہیں، آپ کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ: کسی میں طاقت وقوت نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ اس کو پڑھ کر ہر مسلمان ہر جگہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

فَفِرُّوْا إِلَى اللهِ: پر عمل کرو۔ بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جاؤ۔ لیکن چونکہ ہم مانگتے نہیں ہیں، مانگنے کی طرح نہیں مانگتے۔ بس ہر وقت تبصرے کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ یہ ہو گیا اور فلاں جگہ یہ ہو گیا۔ اس میں وقت ضائع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

اس وقت ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ فَفِرُّوْا إِلَى اللهِ: اللہ کی طرف بھاگ کر جاؤ، اللہ سے مانگو۔ ٹھیک ہے کہ دعا کے باوجود بھی کچھ عرصے آزمایا جاتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گئے تو دعا کرتے ہی فوراً ان کو نہیں نکال لیا گیا۔ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، ان اندھیریوں اور اس گھناؤنی صورت حال میں جہاں نہ کھانے کو کچھ میسر ہے اور نہ پینے کو۔ تین دن گزارنا تین سال کی قید سے بھی زیادہ سخت تھا۔ چنانچہ آزمایا گیا کہ تین دن گزارو اور پھر ہمیں پکارو تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ: ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دے دی پھر فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ: اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آدمی مچھلی کے پیٹ میں جائے اور وہاں جا کر مانگے تو پھر نجات ملے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی بندہ اس جذبے کے ساتھ مانگے گا جس جذبے سے حضرت یونس علیہ السلام نے مانگا تھا کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ تو اللہ تعالیٰ اسی طرح نجات دے گا۔

اگر پھر بھی نجات مقدر نہیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس پر راضی رہو۔ ایک مسلمان کے کرنے کا کام یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین O

نوٹ:

مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

فلسطین اور امت مسلمہ کے حالات

مایوسی کے بجائے اللہ سے لو لگائیں

ایک مسلمان کے لئے مایوسی کا کوئی دروازہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امیدوں کے دروازے کھولے ہوئے ہیں دوسرے یہ کہ دشمن کے خلاف فتوحات ونصرت کے لئے رجوع اور إنابة إلى الله اکسیرِ اعظم ہے۔

خطاب جمعہ مبارک ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ (03 نومبر 2023ء)

جامع مسجد جامعہ دار العلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

میرے محترم بزرگوں بھائیو اور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

کسمپرسی کے حالات میں علم جہاد

آج ہم اپنے ملک میں جبکہ شاید ساری امت مسلمہ بہت افسردہ اور مرجھائی ہوئی ہے۔

خود ہمارے ملک کے حالات ایسے ہیں کہ کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں۔ مہنگائی کا ایک سیلاب ہے جس میں لوگوں کے لئے اپنے بھوک کا سامان بھی جمع کرنا مشکل ہورہا ہے۔ ہمارے ملک کا بال بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ پہلے دن سے مقروض ہوتا ہے اور قرضے بھی ان کے ہیں جن کی آنکھوں میں ہمارا وجود ہی کھٹکتا ہے۔ ملک کے سیاسی حالات بھی کوئی حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ لوگ اپنے اپنے مسائل سے دوچار ہیں۔

اسی دوران فلسطین میں اسرائیل کے (۷۵) پچھتر سالہ مظالم کے جواب میں حماس کے مجاہدین کھڑے ہوئے ہیں اورانہوں نے جہاد کا علم اٹھایا ہے۔

اسرائیل پچھتر سال سے فلسطینی مسلمانوں کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ جس طرح ان کو اپنے گھروں سے نکالا گیا اسی طرح ان کے گھروں کو مسمار کیا گیا۔ جس طرح ان کو اپنی زمینوں سے بے دخل کیا گیا اسی طرح ان کے روزگار کے تمام مواقع چھین لئے گئے اور پھر جس طرح وقفے وقفے سے ان کا قتل عام شروع کیا ہوا تھا اس کو پچھتر سال گزر گئے۔

اب حماس کے مجاہدین نے پہلی بار صحیح معنی میں جہاد کا پرچم بلند کیا۔ جب انہوں نے اپنی حریت اور آزادی کے لئے یہ کام شروع کیا تو عالم کفر کی تقریباً ساری طاقتیں اسرائیل کی پشت پر آکر کھڑی ہوگئیں۔ جن میں سب سے بڑا چوہدری امریکا ہے۔ وہ ان کی پشت پر آکر کھڑا ہوگیا اور ان کو مالی، دفاعی اور اسلحہ، ہر طرح کی امداد فراہم کررہا ہے۔

دوسری طرف بمباری سے غزہ اور بعض دوسرے مقامات پر پر امن شہریوں کو موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے۔ اس میں عالمی اور بین الاقوامی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہورہی ہے۔ اسپتالوں، پناہ گاہوں اور عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ یہ جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کے علم بردار کہتے ہیں وہ اس پر خاموش ہی نہیں بلکہ ان کی مدد کررہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمان حکومتوں اور ریاستوں کا حال یہ ہے کہ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ۵۴/۵۵ مسلمان حکومتیں ہیں لاچار بنی ہوئی ہیں اور مجاہدین کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔

مؤمن کو مایوس نہیں ہونا چاہئے

جب بندہ یہ سارے حالات سنتا ہے تو جس کے دل میں ذرا بھی ایمان کی چنگاری ہوتو اسے افسوس اور صدمہ ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ پرپیگنڈہ بھی کیا جاتا ہے، جس سے مسلمان بھی متاثر ہوتے ہیں کہ یہ حماس کب تک امریکا، برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کی زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرسکے گا؟ نہ اس کے پاس طیارے ہیں اور نہ ہی فضائی طاقت، نہ ان کے پاس اس طرح کے ٹینک ہیں جس طرح کے اسرائیل کے پاس ہیں تو ایسی حالت میں یہ کب تک مقابلہ کرسکیں گے؟

جب یہ خیال آتا ہے کہ کوئی ان کی مدد کو نہیں آرہا اور یہ تن تنہا اتنی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کررہے ہیں تو بعض اوقات دل میں کچھ مایوسی ہونے لگتی ہے اور اس مایوسی سے صدمہ ہوتا ہے۔

چنانچہ میں اس موقع پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صدمہ تو بے شک ہر مسلمان کو ہونا چاہئے لیکن مایوسی ہمارے دین میں کفر ہے۔ مایوسی کسی بھی معاملے میں ہو مومن کا شیوہ نہیں ہے، مسلمانوں پر بڑے بڑے سخت وقت آئے ہیں، ایک مرتبہ نہیں بلکہ تاریخ میں بے شمار مرتبہ بڑے سخت وقت آئے ہیں اور اس زمانے میں آئے ہیں جب کہ مسلمان انبیاء کرام کی قیادت میں تھے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ [۲۴]

ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول
اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے کہ "اللہ کی مدد کب آئے گی؟"

---

[۲۴] سورة البقرة، الآية: ۲۱۴

حتی یقول الرسول یہاں تک کہ پیغمبر جو سب کا حوصلہ بندھانے والا ہے جس سے زیادہ کوئی استقامت کا پیکر، ان سے بڑھ کر کوئی بہادر اور ہمت والا نہیں ہوسکتا۔ لیکن آیت مذکورہ میں بقول بہت سے مفسرین بنی اسرائیل کے ایک رسول حضرت شُعیا علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کے زمانے میں ایسی صورت حال پیش آئی کہ رسول بھی بے ساختہ یہ کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ [۲۵]

پچھلے پیغمبروں کے زمانے میں یہ کیفیت ہوئی کہ ان کے اوپر بڑے سخت اور کڑے وقت آئے کہ چاروں طرف سے اندھیریوں کا غلبہ۔ انہیں ظلمتوں، مصائب اور آلام سے جھنجھوڑ ڈالا گیا۔

قرآن کریم نے تین لفظ استعمال فرمائے: مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا.

البأساء: بعض اوقات جنگ کیلئے استعمال ہوتا ہے، یعنی ان کو دشمن سے جنگ کا مقابلہ کرنا پڑا۔

والضراء: یعنی ان کو تنگی پیش آئی، معاشی تنگی کہ کھانے کو روٹی نہیں ہے اور پینے کو پانی نہیں۔

یہ حالات پیش آئے کہ جنگ اور فاقہ کشی ان کے سامنے ہے۔

وزلزلوا: ان تمام مصائب کی وجہ سے ان کو ہلا کر رکھ دیا گیا۔ اس طرح جھنجھوڑا گیا کہ بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ متی نصر الله:

اس سے پہلے قرآن کریم میں یہ بیان فرمایا گیا کہ کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جنت اتنی سستی ہے کہ بس گھر بیٹھے مل جائے گی بلکہ اس جنت کے حصول کے لئے بعض اوقات مشکلات کا سامنا اور مصائب جھیلنے پڑتے ہیں اور جھنجھوڑ ڈالا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی مدد کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں کہ یا اللہ آپ کی مدد کب آئے گی،۔ جواب میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلا إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيْبٌ ٥

یادرکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم واقعۃً اللہ تعالیٰ احکام پر عمل کرتے رہے تو اللہ کی مدد قریب ہے۔ چاہے تمہیں دور نظر آ رہی ہو لیکن جب تم ہمارے احکام کے اوپر عمل کرتے ہوئے ان مصائب کو صبر و استقامت کے ساتھ جھیلو گے اور ہماری طرف رجوع کرو گے تو یہ مدد قریب ہے۔

خود رسول کریم ﷺ کے زمانے میں جب غزوہ احزاب کا موقع پیش آیا، سارے قبائل عرب مل کر مدینہ

---

[۲۵] تفسیر مقاتل بن سلیمان، ج: ۱، ص: ۱۸۲.

منورہ پر حملہ آور ہوئے، اس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے:

بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ لوگوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے، وہاں پر بھی ان کو زلزلہ میں ڈال دیا گیا، انہیں جھنجھوڑا گیا، ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تمہارے دل میں طرح طرح کے گمان آنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمارے ساتھ مدد ونصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن ہم تو یہاں پٹ رہے ہیں، ہمیں مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ان کو سخت جھٹکا دیا گیا یہاں تک کہ منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ إِلَّا غُرُوْرًا کہ اللہ اور رسول نے جو وعدے ہم سے کئے تھے وہ دھوکا تھے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑے رہے، استقامت کے ساتھ کھڑے رہے تو آخر میں اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور اس طرح آئی کہ پورے کے پورے قبائل کے خیمے اکھڑ گئے اور ان کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

اس طرح کڑے وقت آتے ہیں لیکن اگر آدمی مایوس نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالآخر نصرت آتی ہے۔ ہاں اگر آدمی کے دل میں ایسے موقع پر اپنی اصلاح کا خیال نہ آئے اور وہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے تو یہ خطرناک علامت ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی عذاب بھی نازل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مایوسی کا درس نہیں دیا۔ کیسی بھی حالت ہو ایک مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

موجودہ حالات میں مشاہدہ کرلیں کہ امریکا سپر پاور کے پاس دنیا جہاں کے خزانے، جدید ترین اسلحہ، ہر طرح کے آلات: بحری، بری اور فضائی اور ہر طرح کی طاقت موجود ہے لیکن ذرا ماضی پر نظر ڈال کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کہاں کہاں ذلیل کیا۔ یہ دنیا کے اوپر ہمیشہ اپنی چودراہٹ جمانا چاہتا ہے لہٰذا یہ بار بار مختلف جنگوں میں گھستا ہے۔

جب ہمارے بچپن کا زمانہ تھا تو اس وقت کوریا کی جنگ ہو رہی تھی۔ کوریا بے چارہ چھوٹا سا ملک تھا اور امریکا اس کے مقابلے میں بڑی زبردست طاقت تھی۔ یہ اپنے ساتھ بڑے آلات اور ساز وسامان لے کر گئے تھے۔ کئی سال تک جنگ جاری رہی لیکن آخر میں یہ وہاں سے نامراد ہو کر واپس لوٹا۔ کوریا جیسے ملک نے اسے شکست دے دی۔

جب ہماری کچھ جوانی کا زمانہ آیا تو ماشاء اللہ امریکا صاحب چودھراہٹ کے ساتھ ویت نام میں لڑ رہے تھے۔ ویت نام میں گھس کر وہاں کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ وہاں کے لوگ کوئی بڑی طاقت نہیں تھے لیکن انہوں نے اپنی استقامت کا مظاہرہ کیا اور ان کی ایسی پٹائی لگائی کہ وہاں سے واپس دوڑ کر آنا پڑا یہاں تک

کہ امریکا کے ایک سابق صدر نے ویت نام کا دورہ کیا تو وہاں جن لوگوں کو خود مارا تھا ان کے قبرستان میں جا کر ان لوگوں کو سلامی (Tribute) پیش کیا۔ چنانچہ وہاں سے اس طرح ذلیل ہو کر نکلا۔

افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بھائی کہاں یہ درویش لوگ جن کے پاس کوئی جنگی آلات نہیں، کوئی طیارے،، بحری، بری اور فضائی طاقت نہیں۔ دس سال جنگوں میں شکست روس کے بعد امریکا نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا۔ نیٹو کی افواج جس میں پچاس سے زیادہ ریاستوں کی فوج شامل تھی وہ افغانستان پر اسی طرح بمباری کرتی رہی جیسے آج اسرائیل غزہ پر کر رہا ہے۔ وہاں پر بھی ایسا ہی ہوا کہ شہریوں پر بم برسائے گئے، شہروں اور عبادت گاہوں کو تباہ کیا گیا، عورتوں، بچوں کو مارا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن الحمد للہ طالبان نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور بیس سال جنگ لڑنے کے بعد آخر میں امریکا اور نیٹو، نہتوں کے ہاتھوں شکست و ہزیمت اٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہوا۔

شکست روس کے بعد مزید شکست کی امیدیں

امریکا کی تین مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اس کا انجام تو ہر جگہ یہ ہوا ہے۔ چنانچہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل اور سمجھ دیں اور کوئی طریقہ کار اختیار کریں تو کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ یہاں سے بھی ذلیل ہو کر نکلے اور اسرائیل جو ایک ناسور عالم اسلام کے درمیان اس نے قائم کیا ہے اس ناسور کو اللہ تعالیٰ نے شاید ختم کرنے کا ارادہ فرمالیا لیکن اس کے لئے صبر، استقامت اور دل سے مایوسی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ مایوسی کے بجائے روشن پہلو دیکھو۔

روشن پہلو یہ ہے کہ جو لوگ لڑ رہے ہیں وہ اللہ کا نام لے کر لڑ رہے ہیں، وہ کسی ظلم کی وجہ سے نہیں بلکہ مظلومیت کو ختم کرنے کے لئے، ظالم سے انتقام لینے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ پھر وہ لوگ ایسے ہیں جن میں بہت سے حفاظ کرام، بہت سے تہجد گزار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ امریکا جتنا بھی سپر پاور ہو جائے خدائی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ خدائی صرف ایک ہی ذات کی ہے۔ ان طاقتوں کی وجہ سے خدائی اس کے ہاتھ میں نہیں آئی۔ لہٰذا اگر صبر و استقامت کے ساتھ ہم اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو کچھ بعید نہیں ہے: ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر لگ جائے، افغانستان میں بیس سال لگ گئے۔ یہاں کتنی دیر لگے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن

ألا إن نصر الله قريب: اللہ کی طرف سے نصرت کا وعدہ قریب ہے۔ بس ہونا یہ چاہئے کہ مایوسی کو

دل سے ہٹاؤ۔ مایوسی چاہے اپنے ملک کے بارے میں ہو یا عالم اسلام کے بارے میں اور چاہے فلسطین کے مسلمانوں کے بارے میں ہو۔ مایوسی کے خیالات سے اپنے آپ کو پاک کرو، اس لئے کہ میرا پروردگار یہ کہتا ہے

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ [26]

اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ یعنی گناہوں، بدعملی میں مبتلا رہے ہوں۔ یا اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے رہے ہیں۔ ساری زندگی چاہے اس میں گزاری ہو لیکن تم اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس نہ ہونا۔

إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا: یادرکھو! اللہ تعالیٰ تمہاری ایک توبہ کے عوض سارے گناہوں کی مغفرت کرسکتا ہے۔ ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کرلو تو اللہ تعالیٰ ساری زندگی سے تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ کتنے کھلے ہوئے الفاظ میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ گناہوں سے توبہ کرلو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو تو کوئی مایوسی کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا لیکن اس کے بعد ایک جملہ اور فرمایا:

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ

مایوس تو ہو نہیں لیکن دو کام اور کرلو: وأنيبوا إلى ربكم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اس سے لو لگاؤ، اس سے مدد مانگو، اس سے اپنا رشتہ استوار کرو اور اس سے براہ راست رابطہ کرکے بتاؤ کہ یا اللہ میں اس مصیبت میں گرفتار ہوں مجھے اس سے نکال لے۔

یہاں پر أنيبوا إلى الله نہیں فرمایا۔ بلکہ إلى ربكم اپنی صفت بیان فرمائی کہ ارے ہم تمہارے پروردگار ہیں۔ تمہیں ہم نے پیدا کیا، پالا پوسا اور تمہاری پرورش کی، لہٰذا تمہاری مشکلات بھی ہم ہی دور کرسکتے ہیں۔

جیسے کسی بچہ کو جب کوئی دوسرا نقصان پہنچاتا ہے تو وہ جاکر اپنے ماں باپ کی گود میں بیٹھ جاتا ہے اور ان کے گلے لگتا ہے حالانکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو معلوم ہو کہ میرا دشمن میرے ماں باپ سے زیادہ قوی ہے لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا ملجا و ماوی میرے ماں باپ ہیں۔ کیونکہ یہ میری پرورش کررہے ہیں۔

---

[26] سورة الزمر، الآية: ٥٣.

وہ تو ایک عارضی طور کی پرورش کر رہے ہیں، ارے جو ساری کائنات اور تمہارا پروردگار ہے کہ تمہیں اسی نے پیدا کیا، پالا، پوسا اس کی طرف رجوع کرو۔

دوسری بات یہ کہ وأسلموا له اور اسی کے آگے اپنے آپ کو جھکا دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو بھی حکم دیا ہے اس کی بے چون و چراں تعمیل کرو۔

قرآن کریم میں ایمان کے علاوہ اسلام کا جو لفظ آتا ہے اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اور مکمل فرماں برداری کرنا۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا أَسْلِمْ: اپنے آپ کو اللہ کے آگے جھکا دو یعنی اللہ کے تابع فرمان بن جاؤ۔ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ: ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے رب العالمین کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیا۔ یعنی آپ کے سارے احکام کا تابع بن گیا اور جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا وقت آیا تو پوچھا نہیں کہ میرے بیٹے کا کیا جرم ہے اور میں کیوں قتل کروں؟ نابالغ بچہ ہے! مرادوں اور دعاؤں سے مانگا ہوا ہے۔ کیوں کا سوال نہیں بلکہ بیٹے کو اوندھا منہ کر کے لٹا دیا۔ اس کو قرآن کہتا ہے کہ فَلَمَّا أَسْلَمَا جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے جھکا دیا۔ یعنی مکمل طور پر تابع فرمان بن گئے تو پھر ہم نے اپنی قدرت کا معجزہ دکھایا۔

جہاں اللہ تعالیٰ ہم سے یہ فرما رہے ہیں کہ مایوس نہ ہو! وہاں مایوس نہ ہونے کے بعد کیا کرو؟ وہ بھی بتا رہے ہیں کہ أَنِيبُوْا: اللہ سے رشتہ جوڑو، اس سے دعائیں کرو! اس سے مانگو اور دوسرا کام أَسْلِمُوْا اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو۔ یعنی اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرنا شروع کر دو۔ آج ان حالات میں ہمارے لئے یہی دو کام ہیں جو ہمیں کرنے ہیں۔

أنيبوا: کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہی رجوع کریں کہ یا اللہ! ہم اپنے ملک کے اندر بھی اور ملک سے باہر بھی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، فلسطین میں کفار کے ظلم وستم کا شکار ہیں، اسی طرح برما، لیبیا اور شام کے اندر بھی ایسے مسائل اور مصیبتوں میں گھر گئے ہیں، اے اللہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے اس مصیبت سے بھی بچا لے اور مایوسی سے بھی بچا لے۔ مایوس ہونے کے بجائے ہمیں وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرما جو آپ کی رضا کے مطابق ہو۔

أسلموا له: اس کے آگے اپنے آپ کو مکمل جھکا کر اس کے تابع فرمان بن جاؤ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لو کہ کہاں تم اللہ کی نافرمانی اور ان کے احکام کی خلاف ورزی

کرر ہے ہو۔ جہاں کرر ہے ہو اس کا احتساب کر کے اس سے تائب ہو کر فوراً اس کو چھوڑ دو۔

حرام سے اجتناب اور حلال کی رغبت پیدا کریں

ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی خرابی حرام خوری ہے، اس جانب خاص طور متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

معاشرے میں حرام منہ کو لگ گیا، رشوت کا بازار گرم ہے، کسی دفتر میں کام کرانے جاؤ تو اس کا ریٹ مقرر ہے، لوگ حرام کا منہ کھولے بیٹھے ہوئے ہیں کہ رشوت پہلے سرکاری افسر کی جیب میں جائے گی۔ حکومت کو جو حصہ پہنچنا ہے وہ پہنچے یا نہ پہنچے لیکن سرکاری افسر کی جیب میں رقم ضرور جائے گی کیونکہ اس کے بغیر کام نہیں ہوسکتا۔ کوئی حیا اور پردہ نہیں رہا۔

پہلے یہ سودا بازی پردے میں رکھ کر بات کی جاتی تھی لیکن اب کھلے عام سودا ہوتا ہے۔ اس طرح حرام خوری ہمارے معاشرے کا ایک نشان بن گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دعاؤں کی قبولیت سے روکتی ہے۔

حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بڑا پریشان حال، اس کا چہرہ گرد آلود، سر کے بال پراگندہ یعنی عاجزی کی ایک تصویر اور وہ پکارتا ہے یارب یارب، یعنی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ میرا یہ کام کردے، یا اللہ! میرا یہ کام کردے حالانکہ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ: یعنی اس کا کھانا حرام، لباس حرام اور اس کا پینا حرام ہے، یعنی آمدنی کے جو ذرائع ہیں وہ رشوت، سود، جوئے اور کسی کو دھوکہ دے کر مال کھانے سے ہیں اور یہ سب حرام ہیں۔ اس وجہ سے اس کی آمدنی کے سارے ذرائع حرام ہیں لہٰذا جو لقمہ وہ کھا رہا ہے وہ بھی حرام اور جو پانی پی رہا ہے وہ بھی حرام اور جو لباس بدن پر پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام ہے۔

فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ: ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ [۲۷]

آج کل ذہن میں باتیں آتی ہیں کہ بھئی ہم تو حالات کو درست کرنے کی بہت دعائیں کرتے ہیں، کب سے اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ ہمارے حالات درست کردے لیکن دعائیں قبول نہیں ہورہیں، یہ اس لئے کہ حرام خوری اس معاشرے کا شعار بن گئی ہے۔ حرام خوری کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر لئے گئے ہیں جو کبھی کسی کے تصور میں بھی نہیں آئے تھے۔

---

[۲۷] صحیح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، رقم: ۱۰۱۵

معاشرے کے اندر سود کے مختلف کاروبار پھیلے ہوئے ہیں، جوئے کے کاروبار کھلم کھلا ہورہے ہیں، سوشل میڈیا کے اوپر بہت سی ایسی اسکیمیں چل رہی ہیں کہ یہ کام کرلو بیٹھے بیٹھے اتنا سود کمالو اور کروڑ پتی بن جاؤ۔ بس جب یہ دیکھا کہ کمائی کا موقع ہے تو جھٹ سے اس میں داخل ہوگئے، یہ دیکھے اور پوچھے بغیر کہ وہ طریقہ حلال بھی ہے یا نہیں۔

اگر آج مسلمان اس بات کا عہد کرلیں کہ جولقمہ پیٹ میں جائے اس پر یقین ہو کہ یہ حلال ہے۔ اس میں کوئی حرام کی آمیزش نہیں ہے اور حرام خوری کو ترک کردیں۔ رشوت کو اپنے لئے سور کے گوشت سے زیادہ حرام اور ناپاک سمجھیں۔ اس پر عمل کرنا شروع کردیں تو ان شاء اللہ دعائیں بھی قبول ہوں گی اور اللہ تعالیٰ اپنا کرم بھی فرمائیں گے لیکن جب تک یہ حرام خوری پوری طرح ختم نہیں ہوگی اس وقت تک یہ دعائیں بھی شاید اکارت جائیں گی۔

بہرحال دو باتیں ہیں کہ رجوع الی اللہ اور ان کے احکام کی اطاعت۔

أنيبوا إليه وأسلموا له: اللہ کی طرف رجوع کرو، اللہ سے مانگو لیکن ساتھ اس کی اطاعت اور اس کے احکام کی پیروی کے ساتھ مانگو۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان کے پاس مایوسی کا کوئی دروازہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امیدوں کے دروازے کھولے ہوئے ہیں لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھنجھوڑا جاتا ہے۔ مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آتی ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ فلسطین میں جو کام ہورہا ہے وہ بے کار ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھو کہ ان شاء اللہ یہ کامیاب ہوگا اور یہ طاقتیں اسی طرح ذلیل ہوں گی جیسے افغانستان میں شکست روس کے بعد امریکی اور اتحادی طاقتیں بھی ذلیل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلى اللہ تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين ○

نوٹ: مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

فلسطین
کے موجودہ حالات میں
ایک مسلمان کے کرنے کے کام

اسرائیلی اور امریکی مصنوعات کا مقاطعہ اور بائیکاٹ
غیرت ایمانی کا تقاضا بھی ہے، جنگی حکمت عملی اور ہتھیار بھی[1] ہے

خطاب جمعہ مبارک ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ (10 نومبر 2023ء)
جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

میرے محترم بزرگوں بھائیو اور دوستو!

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته!

پریشانی کے عالم میں قرآنی ہدایات

آج کل ہم جس صورت حال سے گزر رہے ہیں اس میں تقریبا ہر شخص کسی نا کسی پریشانی کا شکار ہے، بہت سے لوگ اپنی معاشی پریشانی میں مبتلا ہیں، مہنگائی کا ایک طوفان ہے جس سے عام لوگ پریشان ہیں۔ ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات بھی بہت زیادہ دشوار اور مشکل معلوم ہو رہے ہیں۔ ملک قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارا ملک بہترین وسائل رکھنے کے باوجود دوسروں کا دست نگر بنا ہوا ہے۔

عالمی سطح پر پورے عالم اسلام میں جو صورت حال ہے اس پر اگر مسلمان نظر ڈالتا ہے تو اس سے بھی قلبی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔

فلسطین کا مسئلہ تو تازہ ترین مسئلہ ہے جو ابھی شروع ہوا ہے لیکن بحیثیت مجموعی پورے عالم اسلام کی حالت کوئی اچھی نہیں ہے۔ بعض اوقات عالم اسلام کے حالات دیکھ کر پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کوئی ملک ایسا نہیں ہے کہ جس کے حالات سے طبیعت پوری طرح مطمئن ہو، فلسطین میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہو رہا ہے، عورتوں، بچوں، بے گناہ شہریوں، مریضوں اور اسپتال لے جائے جانے والوں کا جس بے دردی سے قتل عام ہو رہا ہے وہ ہر مسلمان کے لئے تشویش کا سبب ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن انسانیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ وحشی اور جنگلی قوم ہے جس کو نہ بچوں پر کوئی رحم اور نہ عورتوں پر کوئی رحم ہے، نہ امن کے ساتھ رہنے والے شہریوں پر کوئی رحم ہے۔

لیکن سب پریشانیوں کے مختلف اسباب ہیں جو ہر انسان کے ساتھ پیش آرہے ہیں۔ میں نے جو بات کی وہ تو ایک اجتماعی بات ہے لیکن ہر انسان کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جس میں وہ پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس پریشانی کے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟ قرآن کریم نے ہمیں جگہ جگہ اس کی تلقین فرمائی ہے۔ سورۂ

آل عمران کی آخری آیت ہے:

يَـا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o [۲۸]

اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے جمے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

قرآنی اصطلاح میں ''صبر'' بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی **ایک قسم** اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت کا مظاہرہ ہے، **دوسری قسم** گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی خواہشات کو دبانا ہے اور **تیسری قسم** تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں ان تینوں قسموں کے صبر کا حکم دیا گیا ہے اور سرحدوں کی حفاظت میں جغرافی سرحدوں کی حفاظت بھی داخل ہے اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ [۲۹]

اس میں اللہ تعالیٰ نے پورا لائحہ عمل بتایا ہے کہ پریشانی کی حالت میں انسان کو کیا کرنا چاہئے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے انسان کو جب بھی کوئی پریشانی، مشکل اور صدمہ لاحق ہو، انفرادی ہو یا اجتماعی، ایک آدمی کی ہو یا دس آدمیوں کی، اس میں کرنے کے کام تین ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: (۱) اپنی سی کوشش، (۲) دعا اور (۳) رضا بالقضاء۔

اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے کوشش کرے، صرف دعا پر اکتفا نہ کرے بلکہ جتنی عملی کوشش انسان کے بس میں ہے وہ کرے اس میں کمی نہ کرے۔

مثلاً ایک شخص بے روزگاری کی وجہ سے پریشان ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہے کہ روزگار تلاش کرنے کی اپنی کوشش کرے۔ اگر صرف دعا ہی کرتا رہے کہ یا اللہ مجھے روزگار دے دے اور گھر میں مصلے پر بیٹھ کر دعا کرتا ہے، اور کبھی کوشش نہیں کرتا کہ مجھے روزگار کہاں سے ملے گا؟ کوئی ملازمت، مزدوری، پیشہ اختیار کرنے کی فکر ہی نہیں، گھر میں چارپائی توڑ رہا ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتا، صرف دعا کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے روزگار دے دے۔ یہ ایک مسلمان کا کام نہیں ہے۔

---

[۲۸] سورة آل عمران، الآية: ۲۰۰

[۲۹] آسان ترجمہ قرآن

مسلمان کا کام یہ ہے کہ ہاتھ پیر ہلائے، اپنی سی کوشش کرے، جہاں روزگار کے مواقع ہیں وہاں جا کر روزگار تلاش کرے۔ کوئی ملازمت کرسکتا ہے اس کی درخواست دے۔ کوئی تھوڑے بہت پیسے ہیں جن سے کوئی روزگار بنا سکتا ہے تو اس کی کوشش کرے پھر اللہ سے دعا کرے۔

چنانچہ ہر معاملہ میں پہلا کام اپنی سی کوشش کر لینا۔ ایک شخص بیمار ہے جس کی وجہ سے پریشان ہے تو اس کا کام یہ نہیں ہے کہ بیمار ہے تو بیمار پڑا رہے اور صرف دعا پر اکتفا کرے بلکہ سنت یہ ہے کہ کسی علاج کی فکر کرے۔ اپنی سی کوشش جو بیماری کو دور کرنے کی ہوسکتی ہے وہ کرے پھر دعا کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ بھروسہ اس کوشش پر نہیں بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت پر ہے۔ اپنی کوشش اسی لئے ہے کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر نہ بیٹھو۔ کوئی کوشش کرو اور قدم بڑھاؤ اور اس قدم کو بڑھا کر اللہ پر بھروسہ کرو پھر دعا کرو۔

أَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ

اپنی سی کوشش جو تمہارے بس میں ہے وہ کر گزرو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس سے مانگو کہ یا اللہ میرے بس میں تو اتنا کام تھا کہ میں یہ ہاتھ پاؤں چلا لیتا لیکن اس عمل کو مؤثر بنانا آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے آپ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا، لہٰذا تو اپنی رحمت سے اس کو کامیاب بنادے۔

اپنی سی کوشش اور دعا، یہ دو کام جب کرلئے تو اس کے بعد تیسرا کام رضا بالقضاء ہے کہ اب میں نے اپنا کام کرلیا اب اللہ تعالیٰ کے ہی قبضہ قدرت اور حکمت میں ہے کہ جو فیصلہ وہ کرنا چاہے گا کرلے گا ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اگر انسان کسی بھی مصیبت، تکلیف اور پریشانی کے موقع پر یہ تین کام کرلے تو اس پریشانی کا سد باب ہوجائے گا۔

اپنی سی کوشش، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور دعا، دعا بھی اہتمام کے ساتھ اور پھر کہہ دے کہ یا اللہ میرے بس میں اتنا ہی تھا میں نے کرلیا اب اس کو انجام تک پہنچانا آپ کا کام ہے، آپ جو فیصلہ کریں گے اسی پر میں راضی ہوں۔ اگر میں بے روزگار ہوں اور روزگار کے لئے میں نے کہیں پر کوشش کی اور ملازمت کے لئے کہیں پر درخواست دی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی کہ یا اللہ مجھے روزگار عطا کردیجئے۔ اب آدمی کو مطمئن ہوجانا چاہئے کہ میرے کرنے کا جو کام تھا وہ کرلیا، اب اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کریں گے وہی بہتر ہوگا۔ روزگار مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور نہیں ملے گا تو جب تک نہیں ملے گا صبر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ،

شکایت اور گلہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ یہ تین کام ہیں جو ہر پریشانی کی وقت کرنے کے ہیں۔

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ [30]

سن لو جو اللہ کے ولی اور دوست ہوتے ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہے

اور نہ وہ غم کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ کی دو تفسیر

ایک تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں لے جائیں گے تو جنت میں ان کو نہ تو کسی چیز کا خوف ہوگا اور نہ ہی کسی چیز پر غم ہوگا۔

یہ عجیب کیفیت ہے جو دنیا میں بہت کم حاصل ہوسکتی ہے کہ آدمی کو کسی چیز کا خوف بھی نہ ہو کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اور کسی ماضی کے واقعہ پر غم بھی نہ ہو کہ کیا ہوگیا؟ یہ جنت میں خالص ہوگا ان شاء اللہ کہ اس میں نہ آئندہ کا خوف اور نہ ہی پچھلے ماضی کے اوپر کوئی صدمہ۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس دنیا ہی میں جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں ان پر دنیا میں بھی نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ماضی کے کسی عمل پر صدمہ ہوتا ہے۔

خوف اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کا مکمل ایمان ہے جو ان کے رگ و پے میں بس گیا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ مجھے اگر موت آنی ہے تو وہ جب آنی ہوگی آئے گی۔ نہ کوئی انسان میری موت کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے کرسکتا ہے اور نہ میں اپنی سی تدبیر سے اپنی موت کے وقت کو بعد میں کرسکتا ہوں! اس لئے کوئی خوف نہیں۔ کیونکہ اصل کارساز اور فیصلہ کرنے والا تو اللہ جل جلالہ ہیں، لہٰذا مجھے کوئی خوف نہیں۔ دشمن اگر میرے مقابلے میں ہے اور وہ زیادہ طاقت ور ہے تو ہوا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ مجھے قتل کردے گا اور اگر حکم نہیں ہوگا تو وہ ہزار کوشش کرلے میں زندہ رہوں گا۔

ماضی کی کسی بات پر افسوس اور صدمہ بھی نہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر، حکمت سے ہوا اور اللہ تعالیٰ ہی کائنات کی حکمتوں کو جاننے والے ہیں، لہٰذا پیچھے اگر کوئی واقعہ میری مرضی اور پسند کے خلاف ہوگیا ہے وہ اسی کی حکمت سے ہوا ہے۔ لہٰذا جب اسی کی حکمت سے ہوا تو مجھے غم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ چاہے اس سے مجھے بظاہر تکلیف پہنچی ہو لیکن اس کی حکمت سے ہوا ہے۔

---

[30] سورۃ یونس، الآیۃ: ۶۲

ذوالنون مصری رحمہ اللہ کی شان بے نیازی وحالِ دل

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ طبیعت کیسی ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی بھی واقعہ جس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ یہ کیفیت تو انبیاء کرام کو بھی حاصل نہیں تھی کہ ان کو بھی تکالیف اور مصیبتیں پہنچیں اور ان کی بھی آزمائشیں ہوئیں۔ یہاں تو مرضی صرف اللہ کی چلتی ہے، کسی کی نہیں چلتی، لہٰذا یہ کہنا کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری مرضی سے ہو رہا ہے۔ یہ کیا کہہ دیا۔؟

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ یہ اس لئے کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے۔ جو میرا اللہ چاہے گا میری بھی مرضی وہ ہی ہے۔ اب چاہے وہ مجھے دیکھنے میں بری لگ رہی ہو لیکن چونکہ یہ میرے اللہ کا حکم ہے اور میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، یہی رضا بالقضاء ہے۔

چنانچہ اولیاء اللہ کو اسی لئے غم نہیں ہوتا کہ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا، چاہے اس سے مجھے تکلیف پہنچی ہو اور چاہے مجھے اس کا نقصان ہوا ہو، لیکن اللہ کی حکمت کے تحت ہوا ہے، لہٰذا مجھے اس پر کیا غم کرنا۔

انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا کام کیا ہے اور اللہ کا کام کیا ہے؟ میرا کام یہ ہے کہ اپنی سی کوشش کر لینا اور اللہ سے مانگنا۔ میرا کام تو یہاں جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کائنات میں جو واقعات پیش آ رہے ہیں وہ اللہ کی مشیت سے ہو رہے ہیں لہٰذا مجھے اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ جب اعتراض کرنے کا حق نہیں تو پریشانی کیسی؟ لہٰذا یہ تین کام ہر پریشانی کے موقع پر ہوتے ہیں۔ اگر بندہ ان تین کاموں کو اختیار کر لے تو وہ ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ہے۔

چونکہ اللہ کا حکم ہے اس لئے کوشش بھی کر رہا ہے اور دعا بھی کر رہا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ساری کائنات پر حاوی سمجھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے اسلئے جو کچھ ہو رہا ہے اس کو وہ جانتا ہے کہ برحق ہے، چاہے میری طبیعت کے خلاف ہو لیکن وہ برحق ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔

اسی لئے فرمایا گیا کہ جو اللہ کے ولی ہیں ان کے اوپر کیسی ہی اُفتاد آ جائے لیکن وہ کبھی پریشان نہیں ہوتے۔ پریشان اسی لئے نہیں ہوتے کہ جتنا کام ان کے کرنے کا تھا وہ کر لیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اس کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔

اس صورت حال میں ہماری جتنی بھی پریشانیاں ہیں اس میں آدمی اُس کا جائزہ لے لے کہ میرے

کرنے کا کیا کام ہے؟ وہ کروں۔ اس میں کوتاہی نہ کروں اور پھر اللہ سے رجوع کروں اور جو کچھ فیصلہ ہے وہ اللہ پر چھوڑ دوں۔ بس یہی ساری پریشانیوں کا علاج ہے۔

فلسطین میں خون ریزی

صیہونی کے خلاف دیگر اقوام کا مظاہرہ

اب فلسطین کے اندر جو موجودہ حالات ہیں کہ مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور جس کے دل میں ذرا بھی انسانیت ہے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس حالت کو دیکھتے ہوئے ان کے دل پسیج رہے ہیں کہ ایسا قتل عام جس کی مثال ملنی مشکل ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تو وہی جانتا ہے لیکن اس واقعہ نے اسرائیل کو پوری دنیا کے سامنے ننگا کر دیا۔ ایسا ننگا کر دیا کہ اب خود امریکا، افریقہ، یورپ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور مغربی ملکوں میں جن کے دل میں ذرا بھی انسانیت ہے وہ بازاروں، سڑکوں اور انصاف کے ایوانوں میں آ کر ان کے خلاف مظاہرے اور احتجاج کر رہے ہیں حتی کہ خود وہ یہودی جو اصل میں یہودی ہیں، یہ تو صیہونی ہیں، یہ ایک نیا فرقہ ہے جو یہودیوں کے اندر پیدا ہوا۔ ورنہ جو اصل یہودی ہیں وہ بھی جا کر احتجاج کر رہے ہیں کہ یہ کام غلط ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ننگا کر دیا۔ [۳۱]

---

[۳۱] صیہونیت کیا ہے؟ جسے انگریزی میں (Zionism) کہتے ہیں۔

صیہون لفظ (عبرانی: چیان، طرزی یون) لفظ ''صیہونیزم'' سے اخذ ہوا جو یروشلم سے منسوب ہے۔

تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) کو جدید صیہونی تحریک کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا اولین مقصد یہود کے لئے ایک ریاست کا قیام تھا۔ اس نے یہودی ریاست کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی کہ جس میں ارجنٹائن اور فلسطین، دو مقامات میں سے کسی مقام پر ایک یہودی ریاست قائم کرنے کی تجویز دی تھی۔ ارجنٹائن کو اس کے معتدل موسم، وسیع علاقے اور کم آبادی کی وجہ سے ترجیح دی گئی تھی جبکہ فلسطین کی تجویز کی وجہ اس زمین سے یہود کا تاریخی تعلق تھا۔ اس نے فلسطین کو ترجیح دی تھی۔ ایک اور تجویز کہ یوگنڈا میں یہودی ریاست قائم کر لی جائے جو کہ برطانوی سیاستدان یوسف چیمبرلین کی طرف سے آئی تھی۔ اس کا بھی اس نے خیر مقدم کیا تھا۔

صیہون یروشلم کے قریب ایک پہاڑی ہے اور استعارتاً اس سے مراد وسیع تر اسرائیل بھی لیا جاتا ہے۔ تھیوڈور ہرزل نے عظیم اسرائیل کا تصور پیش کیا تھا جو موجودہ اسرائیل، فلسطین، لبنان اور اردن کو شامل ہے اور علاوہ ازیں اس میں مصر، ترکی، شام عراق اور سعودی عرب کے بھی بعض علاقے شامل ہیں۔

صیہونیوں کے مطابق یہ وہ اسرائیل ہے کہ جس کی بابت خدا نے کتاب مقدس میں ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں دے گا اور وہ اسے ارض موعود کہتے ہیں۔

...﴿بقیہ اگلے صفحے پر﴾...

اس صورت حال میں یہ تین باتیں ہیں جو ہم نے کہی ہیں کہ اپنی سی کوشش، اللہ تعالیٰ سے دعا اور پھر اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا۔

پہلا کام بہت اہم مسئلہ ہے کہ ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟

فلسطینی مسلمان ومجاہدین کی مدد کی ضرورت

ایک عام مسلمان کی حیثیت سے میں کہتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو مدد پہنچانا اس کے بس میں ہو وہ مدد پہنچائے، اب چاہے جانی مدد ہو یا مالی مدد، حکومتوں کا کام یہ ہے کہ وہ ان کو ان کی لڑائی میں مدد پہنچائے۔

اور سارے عالم اسلام کے مسلمانوں کے اوپر **الأقرب فالأقرب** کے اصول کے تحت جو مدد ان کے بس میں ہو وہ فرض ہو جاتی ہے لیکن یہ مدد بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حکمت کے تحت ہونی چاہئے کہ اس سے ان کو فائدہ پہنچے نقصان نہ ہو۔ [۳۲]

اگر مجھ جیسا ایک عام آدمی جذبے اور جوش میں آکر وہاں جنگ میں شرکت کے لئے چلا جائے تو ان کو بجائے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچے گا، کیونکہ ہتھیار چلانا آتا نہیں، مواقع کا معلوم نہیں، لہٰذا وہ جا کر ان کے لئے بلائے بے درماں بن جائے گا۔ چنانچہ اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوگا۔ لیکن جن کے پاس قوت وطاقت ہے، جو اس جنگی حکمت عملی کو سمجھتے ہیں ان کو اپنے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی مدد کرنا ان کے اوپر فرض ہے۔

...﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾... یہودی فرقے:

ایک تو مزراحی یہودی ہیں کہ جنہیں مشرقی یہودی بھی کہتے ہیں۔ ان کے آباء واجداد شمالی افریقہ اور مشرق وسطی میں رہے ہیں اور کبھی بھی یورپ میں نہیں رہے۔ انہوں نے ۱۹۴۸ء کے بعد اسرائیل ہجرت کی۔ انہیں اسرائیل میں امتیازی سلوک کی شکایات ہیں۔

دوسرا اشکنازی یہودی ہیں جو جرمنی اور مشرقی یورپ کے یہودی ہیں۔ اسرائیلی سیاست میں ان کا خاصا کردار ہے۔ اسرائیل کے اکثر وزیر اعظم انہی میں سے رہے ہیں۔ کتاب مقدس کے بیان کے مطابق یہ یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ ائن اسٹائن، سگمنڈ فرائڈ اور اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائیر کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔

تیسرا گروہ سفاردی یہودی ہیں جو سپین کے یہودی ہیں ان میں معروف فلسفی اسپنوزا اور دریدا وغیرہ شامل ہیں۔ اسرائل میں اشکنازی اور سفاردی برابر طور موجود ہیں جبکہ دنیا کے کل یہودیوں کا اسی یا نی صد اشکنازی ہیں۔ یہی اصل میں صیہونی ہیں۔ ان کی ذہانت معروف ہے۔

[۳۲] **قال رحمه الله (الجهاد فرض على الكفاية إذا قام به فريق من الناس سقط عن الباقين) يعني إذا كان بذلك الفريق كفاية أما إذا لم يكن بهم كفاية فرض على الأقرب فالأقرب من العدو إلى أن تقع الكفاية. الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب السير، ج: ٢، ص: ٢٥٧.**

جن میں اس کی طاقت یا استطاعت نہیں ہے تو ان کا کام یہ ہے کہ دعا کریں اور ساتھ ساتھ جو مالی مدد ان کو پہنچا سکتے ہوں وہ پہنچائی جائے۔ الحمدللہ ہمارے ملک میں اب اس پر کئی تنظیمیں کام کررہی ہیں اور جمع ہو رہا ہے اور پہنچایا جا رہا ہے اگرچہ پہنچانا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ لیکن متعدد تنظیمیں کام کررہی ہیں الحمدللہ۔

الحمد للہ اس سلسلے میں ہم نے بھی کچھ کوشش شروع کی ہے اور کررہے ہیں۔

اسرائیلی اور امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ غیرتِ ایمانی کا تقاضہ ہے

امریکا اور اسرائیل کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی ایک تحریک چل رہی ہے۔ کچھ غیرت مند مسلمان یہ تحریک چلارہے ہیں اور سنا ہے کہ اس کا کچھ اثر بھی ہوا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات مجھ سے بار بار پوچھی جاتی ہے کہ یہاں پر جو فرنچائز ہیں جیسے کے ایف سی (KFC)، میکڈونلڈ (McDonald's) اس قسم کی جو کمپنیاں ہیں جن کی غذائیں بکتی ہیں، ان کے مالکان مسلمان اور پاکستانی ہیں، البتہ انہوں فرنچائز کا معاہدہ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے آمدنی کا پانچ فیصد یا دس فیصد حصہ ان کمپنیوں کو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا تو خود ان مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا، کیونکہ یہ فرنچائز لئے بیٹھے ہیں۔

میں اس کے جواب میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ فتوے کا نہیں ہے بلکہ یہ غیرت ایمانی کا مسئلہ ہے۔ کسی غیرت مند مسلمان کو یہ گوارا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی آمدنی کا ایک پیسہ بھی کسی ایسے شخص کو پہنچے جو اسرائیل کو مدد دے رہا ہے۔ یہ انسان کی ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے۔ یہ کہنا کہ بھئی پانچ فیصد جاتا ہے ۹۵ فیصد تو ہم کھاتے ہیں! ارے بھئی! ۹۵ فیصد آپ بہت کھا چکے الحمدللہ، آپ نے کافی نفع بنالیا۔ اب آپ یہ تو کرسکتے ہو کہ اس فرنچائز کو ختم کر کے اپنا کاروبار شروع کردو! اگر اس کو ختم کر کے اپنا کاروبار شروع کرو گے تو ان کو تھوڑا سا پتا تو چلے گا کہ دنیا بھر کے اندر جو ہم اپنی مصنوعات چلا رہے ہیں اور دنیا بھر میں ہمارا سکہ چل رہا ہے تو اس کا کچھ اثر تو ہوگا! یہ کہنا کہ پانچ فیصد کی کمی سے کیا فرق پڑے گا؟

آپ ذرا یہ سوچو کہ میری آمدنی کا پانچ فیصد نہیں بلکہ صرف ایک فیصد کسی ایسے شخص کو پہنچ رہا ہو جو میرے باپ کے یا میرے قتل کی سازش کررہا ہے تو گوارا کرو گے؟ تو کیا یہاں بھی اس کو ایک فیصد، دو فیصد اور پانچ فیصد سے ناپو گے؟

لوگ فتوے کی بات کرتے ہیں! حالانکہ یہ فتوے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ غیرت ایمانی کا مسئلہ ہے۔ اس

غیرت ایمانی کے تحت میں سمجھتا ہوں کہ کسی غیرت مند مسلمان کو اس کا اقدام نہیں کرنا چاہئے۔لہٰذا یہ بھی اس کوشش کا ایک حصہ ہے۔

حالت جنگ میں ایمانی غیرت کا تقاضا

اس وقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک لحاظ سے پوری امت مسلمہ حالت جنگ میں ہے، کیونکہ یہ حملہ صرف فلسطینیوں پر نہیں ہو رہا بلکہ مآل کار اس کا اثر پورے عالم اسلام پر پڑنے والا ہے۔

جب امت حالت جنگ میں ہے تو جو لوگ عالم اسلام کے خلاف یہ سازش کر رہے ہیں ان کو کسی طرح بھی نفع پہنچانا، چاہے وہ ایک پیسہ کا ہو، کسی مسلمان کی غیرت کو اسے گوارا نہیں کرنا چاہئے۔لہٰذا میں اس بات کی حمایت کرتا ہوں کہ ایسی چیزوں کا بائیکاٹ کیا جائے جن کا فائدہ ان طاقتوں کو پہنچ رہا ہے۔

لہٰذا اپنی سی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ سے دعا جاری رکھو۔کوئی وقت خالی نہ جائے جس میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا جارہا ہو اور پھر اللہ کے فیصلہ پر راضی رہو، کیونکہ پھر جو اللہ کا فیصلہ ہے وہی برحق ہے، وہ ہماری خواہش کے مطابق ہو تو برحق ہے، ہماری خواہش کے خلاف ہو تو بھی برحق ہے۔

یہ پریشانی کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نوٹ: مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

فلسطین

کے نشیب و فراز میں تسلی کے پہلو

اور

حقیقی مومن بننے کی ترغیب

خطاب جمعہ مبارک ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ (08 دسمبر 2023ء)

جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد! فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَلا تَهِنُوْا وَلا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمُ.

میرے محترم بزرگوں بھائیو اور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

نزولِ آیت میں تسلی کے پہلو

میں نے آپ کے سامنے ایک آیت کریمہ پڑھی ہے۔ یہ آیت سورۂ آل عمران کی ہے جو غزوہ احد کے عظیم واقعہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں کو ایک شدید صدمہ پیش آیا تھا اور وہ یہ کہ عارضی طور پر کفارِ عرب کے مقابلے میں شکست ہوئی تھی لیکن وہ شکست عارضی تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے فتح میں تبدیل فرمادیا۔

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے تھے، کفار کا نرغہ اتنا سخت تھا کہ اس کشمکش میں نبی کریم ﷺ کا مبارک دانت شہید ہوگیا اور رسول کریم سرورِ دو عالم ﷺ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا۔ یہاں تک کہ یہ افواہ اڑا کر غلط خبر پھیل گئی تھی معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کو شہید کردیا گیا۔

لیکن جب بعد میں پتا چلا کہ آپ کی شہادت کی خبر غلط تھی اور ان کے حواس بجا ہوئے تو ان میں سے بیشتر میدان میں لوٹ آئے اور پھر کفار کو بھاگنا پڑا لیکن اس درمیانی عرصے میں ستر صحابہ کرام شہید ہو چکے تھے اور ستر صحابہ کرام میں سے ہر ایک ایسا تھا جو صبر، استقامت اور ایمان باللہ کی ایک مستقل کائنات تھا، ان کا شہید ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس لئے مسلمانوں کے دل غموں سے چور تھے اور ان میں سے بعض حضرات اندر دل شکستگی کے آثار نمودار ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال پر تبصرہ کرنے، اس میں جو رنج پیش آیا اس کے اسباب بیان کرنے اور پھر مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے سورۂ آل عمران میں تقریباً تین رکوع نازل فرمائے۔

دل شکستہ کچھ غلطیوں کا نتیجہ تھا

یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ بھی ان تین رکوع میں شامل ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں سے خطاب فرما کر کہہ رہے ہیں کہ

وَلا تَحْزَنُوا: تم ست نہ پڑو کمزور نہ پڑو اور غم نہ کرو

اور پھر آگے ایک وعدہ فرمار ہے کہ وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ.

تم ہی سربلند رہو گے اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو۔

سربلندی تمہارا ہی مقدر ہے یہ عارضی شکست یا یہ عارضی صدمہ جو آپ لوگوں کو پیش آیا ہے اس کی وجہ سے دل شکنی میں مبتلا نہ ہوں، کمزوری اور سستی میں مبتلا نہ ہوں، اگر آپ نے اس جنگ سے کوئی سبق لیا جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں بیان فرمائی ہے اور ایمان پر ثابت قدم رہے تو بالآخر سربلندی آپ ہی کے مقدر میں ہوگی۔

یہ تسلی کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لئے نازل فرمائے اور قرآن کریم صرف صحابہ کرام سے مخاطب نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن کریم قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے ہدایت کا پیغام ہے اس لئے اس کی کوئی آیت بھی ایسی نہیں ہے جو ہمارے لئے قیامت تک ایک راہ نمائی فراہم نہ کرتی ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دین جو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم تک بھیجا یہ قیامت تک قائم رہے گا ان شاء اللہ، لہٰذا ہر دور کے مسلمانوں کے لئے اس کی ہر ہر آیت میں ایک عظیم سبق ہوتا ہے۔

میں نے یہ آیت اور ترجمہ اس لئے پیش کیا کہ آج تمام مسلمان، خواہ وہ کسی بھی خطے میں آباد ہوں، وہ فلسطین کے واقعات کی وجہ سے پژمردہ اور بے چین ہیں، تکلیف میں ہیں کہ غزہ کے چھوٹے سے شہر میں دشمن نے ایسی بمباری کی ہے کہ جس میں اس وقت تک تقریباً بیس ہزار کے لگ بھگ مسلمان شہید ہو گئے ہیں، اس میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل ہیں، بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے۔ تقریباً چھ ہزار بچے، ان میں ایسے بھی بچے تھے جو نومولود تھے، ابھی ابھی پیدا ہوئے تھے، ان کا تو پیدائشی سرٹیفکیٹ بھی نہیں بنا تھا، اس سے پہلے ہی اس ظالم دشمن نے ان پر بمباری کر کے شہید کر دیا۔

اس واقعہ پر ہر مسلمان اپنے دل میں ایک ہوک اور بے چینی محسوس کر رہا ہے۔ یہ بے چینی اس حد تک ہے کہ مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی جب وہ نظارے دیکھتے ہیں کہ کس طرح ان بچوں کی صورتیں مسخ کر دی گئی ہیں

اور کس طرح عورتوں کو ملبے کے نیچے دبا دیا گیا ہے، کس طرح بے شمار انسان ملبے تلے اب بھی دبے ہوئے ہیں اور کس طرح ایک بہت بڑی تعداد مفقود اور گم ہے جس کا پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں ہیں؟ وہ زندہ بھی ہیں یا موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

اس واقعہ پر مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی رونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ سارے واقعات بڑے افسوس ناک بھی ہیں، ان کا صدمہ بھی ہے اور ان کی وجہ سے بے چینی بھی ہے لیکن یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ اس موقع پر تسلی بھی دیتی ہے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل بھی بتاتی ہے۔

آج بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حماس یہ اقدام کر کے ان سارے انسانوں کو، غزہ کے بے گناہ مسلمانوں، بچوں اور عورتوں کو شہید کرنے کا سبب بنا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ غزہ کے بیس ہزار شہداء جن میں سے بہت سوں کی ابھی تک تجہیز و تکفین بھی نہیں ہو پائی اور وہ نہ صرف بمباری کا بلکہ بھوک، پیاس اور زخموں کی تڑپ کا بھی سامنا کر رہے ہیں۔ پانی، بجلی ان کی بند ہے، مواصلات ان سے کاٹ دیئے گئے ہیں اس حالت میں وہ زندگی گزار رہے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں شاید آپ نے غزہ کے کسی بھی مصیبت زدہ شخص سے یہ جملہ نہیں سنا ہوگا کہ حماس نے ہمیں اس مصیبت میں ڈال دیا! اس کے بجائے وہ انتہائی مضبوط ایمان کے ساتھ، انتہائی صبر و استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو حالات ہم پر گزر رہے ہیں وہ سب ہمیں منظور ہیں لیکن ہم اپنی زمین کا ایک انچ بھی دشمن کے حوالے نہیں کریں گے اور نہ ہم اس زمین کو چھوڑ کر جائیں گے۔

یہ عزم اور ولولہ ان کے اندر موجود ہے، الحمد للہ حماس کی کارروائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصرت سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔ اسرائیل کے درندے نے بیس ہزار انسانوں اور شہریوں کا قتل عام تو کیا لیکن میدان جنگ میں حماس کا مقابلہ کرنے سے وہ اب تک عاجز ہے، اس کے سینکڑوں ٹینک اور بڑی بڑی گاڑیاں اور اسلحہ کے انبار الحمد للہ وہ حماس کے مجاہدین کے ذریعہ ختم اور معطل ہو چکے ہیں۔

یہ سارا منظر اس وقت ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حماس اور غزہ کے مسلمانوں نے پوری دنیا اور پوری دنیائے اسلام کو بڑے اہم سبق دیئے ہیں آج میں وہ سبق آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فلسطین کا قضیہ سن ۱۹۴۸ء بلکہ اس سے بھی پہلے سے چلتا آ رہا ہے۔ اور سن ۱۹۴۸ء میں اسرائیل نے اپنا ناجائز اور ناپاک وجود فلسطین کی سرزمین پر قائم کیا تھا اور اس وقت سے اس کے ظلم و

ستم کی ایک طویل داستان ہے جو اس نے فلسطین کے باشندوں پر روا رکھی ہے۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں اسرائیل نے فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ نہ توڑے ہوں۔ اس سب کے باوجود دنیا یہ کہتی تھی اور کہتی ہے کہ اس مسئلے کا پرامن حل تلاش کیا جائے۔

پرامن حل مذاکرات کی میزوں پر اقوام متحدہ میں سلامتی کونسل میں، عرب لیگ کے ذریعے آپس میں بیٹھ کر اس کا مسئلہ حل کیا جائے۔

اس کے لئے بے شمار نشستیں، معاہدے اور مذاکرات ہوئے ہیں لیکن یہ مذاکرات اور یہ معاہدے اور یہ بات چیت انجام کار صرف اس لئے تھی کہ قضیہ فلسطین کو بھلا دیا جائے۔ چنانچہ سات اکتوبر سے پہلے فلسطین کا کوئی بڑا مسئلہ اور قضیہ عالم پر موجود نہیں تھا۔ ایک کام ہو گیا، سب اپنی اپنی جگہ مطمئن بیٹھے تھے۔ اور یہ مسئلہ تقریبا دفن کر دیا گیا تھا اور یہ خیال تھا کہ مرور ایام سے جتنا وقت گزرے گا تو پھر آخر میں یہ کہنے کا موقع ہوگا کہ بھئی اب پچھتر سال/ اسی سال گزر گئے اب پرانی باتیں کیوں چھیڑیں اور پرانے مردے کیوں اکھیڑیں؟ اس انجام تک قضیہ فلسطین کو لے جایا جا رہا تھا۔

مسلمان ملک جو شروع میں اسرائیل کو ایک لمحے کے لئے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے وہ رفتہ رفتہ اسرائیل کو تسلیم کر رہے تھے اور اس کے معنی یہ کہ فلسطین کے قضیہ کو دفن کرنے میں شریک تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حماس کے ان جانبازوں کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کے اس اقدام سے یہ مسئلہ اس وقت پوری دنیا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ساری دنیا اس وقت قضیہ فلسطین کے بارے میں سوچ رہی ہے اور دیکھ رہی ہے، اس طرح قضیہ فلسطین ایک مرتبہ پھر نئی زندگی اختیار کر چکا ہے۔

یہ حماس کی پہلی کامیابی ہے کہ اس نے اپنی جانیں دے کر، جہاد کے ذریعہ اس مسئلہ کو از سر نو زندگی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان کے ذریعہ یہ کام کروایا۔

جنگی مہمات اور سرنگیں

یہ کام ایسے ہی آسانی سے نہیں ہوا! آپ اندازہ کریں کہ تیس سال سے یہ حماس اتنی بڑی طاقت، اسرائیل، امریکا اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کر رہی تھی اور تیاری اس طرح کر رہی تھی، (پتا نہیں آپ کے علم میں ہے یا نہیں) کہ انہوں نے جو سرنگیں کھودی ہیں اس سرنگوں کے اندر رہ کر یہ جہاد کر رہے ہیں۔ یہ سرنگیں تیس سال میں کھودی گئی ہیں۔ اس طرح کھودی گئی ہیں کہ پانچ سو کلومیٹر کے اندر ان کا جال پھیلا

ہوا ہے۔ ایک ایک سرنگ کم سے کم چالیس میٹر تک گہری ہیں اور بعض سرنگیں پچاس میٹر تک گہری ہیں۔ بعض اسی میٹر تک گہری ہیں۔ اس لئے کہ جب بمباری ہوتی ہے تو جو عام بم ہیں خواہ وہ کتنے ہی وزنی ہوں، زیادہ سے زیادہ تیس میٹر تک اثر انداز ہوتے ہیں، لہٰذا انہوں نے جو سرنگیں کھودی ہیں وہ اس طرح کھودی ہیں کہ بمباری اس پر اثر نہیں کر سکتی۔ وہ چالیس میٹر، پچاس میٹر اور اسی میٹر تک نیچے پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دو مہینوں سے زیادہ ہو چکے ہیں لیکن اسرائیل ان دو مہینوں کے دوران وحشیانہ بمباری، سارے لاؤلشکر، ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں کے باوجود آج تک ان سرنگوں میں کسی ایک سرنگ کا بھی پتا نہیں لگا سکا۔

برطانیہ جاسوسی جہاز بھیج کر یہ پتا لگا رہا ہے کہ سرنگیں کہاں ہیں اور ان کے جو قیدی حماس کے قبضے میں ہیں وہ کس جگہ رکھے ہوئے ہیں لیکن آج تک باوجود اپنے تمام ساز وسامان، جنگی آلات، تمام ٹینکوں اور بموں اور بمباری کے ان کو پتا نہیں چل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لیا ہے۔

جن لوگوں نے اپنی جان پر کھیل کر اور خفیہ رکھ کر یہ سرنگیں کھودی ہیں ان کے بارے میں یہ تفصیلات آرہی ہیں کہ مٹی میں کام کر کر کے ان کے پاؤں گل گئے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے ایک اللہ کے نام پر جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر یہ مشقتیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ آج اس کا نتیجہ دکھا رہا ہے۔ ان سرنگوں کے اندر رہ کر انہوں نے دشمن کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ایک ایک دن کے اندر پچاس ساٹھ ٹینک تباہ کر رہے ہیں۔ پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے نکل آئیں گے اور کہاں سے نکل کر ہمار طیاروں اور ٹینکوں کو تباہ کر دیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جنات کی قوم ہے یا کوئی اور مخلوق ہے جو اچانک نمودار ہوتی ہے اور ہمارے ٹینکوں کو تباہ کر کے چلی جاتی ہے۔

اسرائیل کے ناپاک ارادوں نے اور اس کی ناپاک کوششوں نے بیس ہزار شہریوں کا تو خون کر دیا لیکن حماس کے مجاہدین میں سے شہداء کی تعداد اب تک انگلیوں پر گنی چنی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسرائیل کے ہزار سے زیادہ فوجی اور جرنل بھی قتل ہو چکے ہیں۔

میدان جنگ کے اندر اللہ تعالیٰ نے حماس کو فتح یاب کیا ہے اور فتح یاب کر کے الحمد للہ آج دو مہینے سے زیادہ گزر چکے ہیں۔

عرب اسرائیل جنگ قومیت کی جنگ تھی

سن ۱۹۶۷ء میں تین ملکوں نے اسرائیل کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی، ان میں مصر، اردن اور لبنان شامل تھے۔ ان تین ملکوں نے مل کر اسرائیل کا توڑ کرنے کی کوشش کی تھی۔ صرف چھ دن میں اسرائیل ان پر

غالب آ کر ان کے علاقوں کو فتح کر گیا تھا۔ ان تین ملکوں کی فوجیں چھ دن اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں اور حماس کے ان لوگوں کو دو مہینے سے زیادہ ہو چکے ہیں اور آج بھی اسرائیل اپنے زخم چاٹ رہا۔

اس لئے کہ اس وقت جو جنگ لڑی گئی تھی وہ قومیت کی بنیاد پر لڑی گئی تھی۔ اس وقت جنگ میں جو نعرے لگتے تھے وہ **العزة للعرب** کے کہ عزت عربوں کی ہے اور جب پکارا جاتا تھا تو عربوں کے ناموں سے پکارا جاتا تھا لیکن حماس پہلے دن سے **الحمد لله** اللہ کے نام پر لڑتا ہے، وہاں **العزة لله** کے نعرے لگتے ہیں۔ وہاں ہر وار کے اوپر **الله أكبر** اور **اللهم سدد** کہہ کر نشانہ لگاتے ہیں۔ **الله أكبر** کا نعرہ اور **اللهم سدد** کہ اے اللہ ہمارے نشانے ٹھیک کر دیجئے۔ اس کے بعد نشانے لگاتے ہیں۔

حماس ـــــ اکثر ان میں سے حافظ قرآن ہیں اور ایک خاص دینی تربیت سے گزر کر وہ حماس کے رکن بنتے ہیں۔ اور انہوں نے صرف اپنی تربیت نہیں کی بلکہ غزہ کے سارے مسلمانوں کی تربیت کی ہے۔ آپ نے شاید دیکھا ہو کہ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے دفن ہوئے مکان پر اور اس کے ملبے کے اوپر بیٹھ کر اللہ کو پکار رہے ہیں۔ اپنے ہاتھوں پر اپنے نام لکھوا رہے ہیں کہ جب ہم ملبے کے نیچے دب جائیں گے تو ہمیں پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ پتہ چل جائے کہ کون کس کا بچہ ہے!

یہ ایمانی جذبہ اور ولولہ جوان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے غزہ کے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کیا یہ ان کی بہت بڑی فتح ہے۔ اور آج وہ بھوک کا سامنا کر رہے ہیں، پانی ان کو میسر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نام پر جمے ہوئے کھڑے ہیں اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ اسرائیل کے ظلم وستم کا سامنا کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ حماس اور غزہ کی ان قربانیوں کے نتیجے میں اسرائیل کو پوری دنیا کے سامنے ننگا کر دیا۔ جنگ کے جو بین الاقوامی طور پر مسلّم شدہ اصول ہیں ان میں سے ایک ایک کو پامال کیا ہے، عورتوں، بچوں اور شہریوں پر حملہ کرنا اور اسپتالوں اور ان کے انتہائی نگہداشت شعبوں کو نشانہ بنانا۔

یہ سب جرائم ساری دنیا کے سامنے کھل کر سامنے آ گئے ہیں سوائے ان کے نام نہاد حامیوں کے، عام انسان چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، وہ کھل کر اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ اسرائیل انسان نہیں ہے بلکہ وہ وحشی درندوں کا ایک گروہ ہے۔ وہ ان کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ امریکا، لندن، جاپان اور غیر مسلم ملکوں کے اندر مظاہرے ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا کے سامنے اسرائیل ننگا ہو کر سامنے آ گیا۔ یہ سب ان جانبازوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

تسلی کے پہلو

جیسا قرآن کریم نے فرمایا کہ **ولا تھنوا ولا تحزنوا** کہ سستی نہ دکھاؤ، کمزور نہ پڑو، غم نہ کرو اگر تم مومن ہو تو سربلند تم ہی رہو گے۔ ان شاء اللہ ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ ہمارے پاس وہ طاقت نہیں ہے جو امریکا اور اسرائیل کے پاس ہے۔ لیکن اس کے پاس ایک ایسی طاقت ہے جو تمام طاقتوں پر غالب ہے وہ ہے ایمان باللہ۔ اللہ پر ایمان، ان کی قدرت، رحمت پر ایمان۔

یہ ایمان کی طاقت ہے جو دو مہینوں سے زیادہ گزر چکے ہیں کہ اسرائیل باوجود محاصرہ کرنے کے اور شہروں کے اندر گھس آنے کے ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ کسی جگہ پر اپنا تسلط قائم کر سکے اور ان شاء اللہ کبھی قائم نہ کر سکے گا۔

حقیقی مؤمن بننے کی ترغیب

لہٰذا یہ جو قرآن نے فرمایا کہ سست نہ پڑو، غم نہ کرو اگر تم مومن ہو تو تم ہی سربلند رہو گے۔ چنانچہ ہمیں اور آپ کو یہ پیغام مل رہا ہے کہ صحیح معنی میں مومن بن کر دکھاؤ، صحیح معنی پر اللہ پر ایمان رکھنے والا بن کر دکھاؤ۔ اپنا جائزہ لو اور جہاں تم ایمان کے خلاف کوئی کام کر رہے ہو اس کو چھوڑو۔ اللہ پر ایمان کو مضبوط کرو، اللہ تعالیٰ کے اوپر بھروسہ رکھو۔ اگر یہ کام تم نے کر لیا تو ہم تمہیں خوش خبری سناتے ہیں کہ انتم الأعلون کہ تم ہی سب سے زیادہ سربلند ہو گے۔

تو میرے بھائیو! اگرچہ ہم اپنے آپ کو اس لحاظ سے بے چارہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے لئے خود جا کر جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے لیکن اگر قرآن کہتا ہے کہ مومن ہو تم ان شاء اللہ سربلندی بھی تمہاری ہو گی، لہٰذا ہر شخص کا فریضہ ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنے آپ کو مومن بنائے اور مومن بنانے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت اور گناہ کا راستہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اپنی زندگیوں کو، اپنے اخلاق، معاملات، اپنی سیرت اور معاشرت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں۔

اگر یہ کام کر لیا تو قرآن کا یہ وعدہ دور نہیں ہے کہ **أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين**۔ ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نوٹ: مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

مسئلہ فلسطین ــــ جہاد فی سبیل اللہ

اور

نفس کے خلاف جہاد

خطاب جمعہ مبارک ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۴۵ھ (22 دسمبر 2023ء)

جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

میرے محترم بزرگوں بھائیو اور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

نیک اعمال سے قربِ خداوندی کی تلاش

قرآن کریم کی ایک آیت ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوا اتَّـقُـوا اللهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْـهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ [۳۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

یعنی اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ تلاش کرو جس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤ اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ تقویٰ اختیار کرو،

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کرو،

تیسرا یہ کہ اس کے راستے میں جہاد کرو۔ [۳۴]

---

[۳۳] سورة المائدة، الآية: ۳۵

[۳۴] جہاد کے معنی دراصل جد و جہد کے ہیں۔ اس میں پرامن جد و جہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے کسی کو دین کی دعوت دی جائے اور دین کی نشر و اشاعت اور اس کی تنفیذ کے لئے کام کیا جائے اور مسلح جد و جہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کیا جائے، مگر یہ مسلح جد و جہد کافروں ہی کے مقابلے میں ہو سکتی ہے۔ منافق چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اس لئے دنیا میں ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے اور عام حالات میں ان سے لڑائی نہیں کی جاتی الا یہ کہ وہ بغاوت پر اتر آئیں۔ آسان ترجمہ قرآن، الآية: ۹، سورة التحريم، ح: ۱۰.

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال اور کام کرو جس سے تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکو اور تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو جائے۔

چنانچہ جتنے نیک اعمال ہیں، چاہے وہ عبادات، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، ذکر، تلاوت، تسبیح سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی انسان کی مدد کردینا، کسی مسلمان سے خندہ پیشانی کے ساتھ مل لینا، محبت کا کوئی کلمہ کہہ دینا اور کسی رنجیدہ آدمی کی تکلیف کو دور کرنے کی فکر کرلینا۔

یہ ساری باتیں نیک اعمال میں داخل ہیں اور ان میں سے ہر عمل ایسا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے۔

لہٰذا ایک **حکم** تقوی کا دیا، دوسرا حکم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ یعنی اچھے عمل کی تلاش کا اور تیسرا حکم دیا کہ اس کے راستے میں جہاد کرو۔ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**: تا کہ فلاح نصیب ہو۔

جہاد کی تعریف و دین اسلام کا رکن

جہاد کے ایک معنی تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ غیر مسلم طاقتوں سے لڑائی کرنا، اسلام اور وطن کی حفاظت کرنا۔ یہ جہاد ہوتا ہے۔

جیسا کہ فلسطین میں آج کل ماشاء اللہ مجاہدین اپنی سرزمین، اسلامی سرزمین اور مسجد اقصی کی حفاظت کے لئے جانیں دے رہے ہیں، محنت کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اللہ تعالیٰ کی فتح ونصرت بھی ان کے ساتھ آرہی ہے۔

امریکا اتنی بڑی عظیم طاقت، سپر پاور اسرائیل کے ساتھ کھڑی ہے اور اس کو مدد پہنچارہی ہے اور یہ بے چارے فلسطینی جن کے پاس نہ کوئی بمبار ہوائی جہاز ہیں اور نہ دوسرے وسائل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر نکل کھڑے ہوئے ہیں اور الحمد للہ اسرائیل کی طاقت سے ٹکرا رہے ہیں، روزانہ خبریں آرہی ہیں، میں بھی روزانہ دیکھتا ہوں، معلومات رکھتا ہوں۔ الحمد للہ آج ستر دن سے زیادہ ہوگئے ہیں اور وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کررہے ہیں اور اسرائیل کو بھاری نقصان پہنچارہے ہیں۔ کل تک کی خبر یہ ہے کہ ۷۲۰/سات سو بیس گاڑیاں اور ٹینک تباہ کی جاچکی ہیں۔ جن لوگوں کو مارا گیا ہے، ان میں میجر جنرل بھی شامل ہیں، ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰۰ تک پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نصرت کا معاملہ فرمارہے ہیں۔ الحمد للہ، جہاد کی ایک قسم یہ ہے اور یہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

چونکہ ہم لوگوں کو واسطہ نہیں پڑا اور کبھی عملاً جہاد میں شریک ہونے کی نوبت نہیں آئی اس لئے اس سے ابھی تک محرومی ہے لیکن یہ عظیم عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنا اور ان کے راستے میں کھڑے ہونا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں کھڑے ہونے کی توفیق عطا فرمائے جہاں ضرورت ہے۔

فلسطینی مجاہدین کی حمایت ومدد کی ضرورت

واقعہ تو یہ ہے کہ ہم سب کو چاہئے تھا کہ ان فلسطین کے مجاہدین کی مدد کے لئے خود وہاں جا کر شریک ہوتے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے لیکن حالات ایسے ہیں کہ اگر کوئی آدمی یہ چاہے بھی تو حکومتوں کی سرحدیں اور ان کی رکاوٹیں ہیں جس کی وجہ سے وہاں پر جانا ممکن بھی نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارے جانے سے ان کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔

لیکن اسی جہاد کی ایک دوسری شکل ہوتی ہے کہ ان مجاہدین کی مدد کی جائے اور ان کو مدد پہنچانے کے لئے جو کچھ اپنے بس میں ہے وہ کام اختیار کیا جائے۔ اس وقت یہ چیز ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس کو جو بھی راستہ ملتا ہو جس سے ان مجاہدین کو مدد پہنچائی جاسکتی ہو، مالی مدد ان کو فراہم کی جائے، یہ بھی ہم پر فرض ہے۔

شکستہ حال نہتوں کے ہاتھوں طاقتور کی شکستگی

دوسرا یہ کہ اگر اور کچھ نہیں ہے کہ انسان اگر ان کی مالی مدد نہیں کرسکتا تو ان کو اپنی دعاؤں میں شامل کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فتح ونصرت سے ہمکنار فرمائے۔

فتح ونصرت فوجوں کی تعداد سے نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہوتی ہے۔ ہماری پوری اسلامی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں نے اپنے دشمن کے مقابلے میں جہاد کیا ہے تو مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار فرمایا۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ [۳۵]

ترجمہ: نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔

کتنے ایسے ہیں کہ چھوٹی جماعت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بڑی جماعتوں پر غالب آگئی۔

---

[۳۵] سورة البقرة، الآية: ۲۴۹

ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید بھی ہے۔

لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاد کی ایک شکل بذات خود لڑائی ہے اور دوسری شکل یہ کہ ان کو مالی امداد فراہم کرنا۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا [۳۶]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان فراہم کرے تو وہ بھی جہاد کرنے والے کے حکم میں ہے۔

یعنی جو ثواب اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کو عطا فرمائیں گے وہی ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جو اس شخص کی کسی بھی طریقے سے مدد کر رہا ہو، کوئی سامان فراہم کر کے یا کوئی مالی مدد پہنچا کر۔ وہ بھی جہاد کرنے والے کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو وہی اجر عطا فرمایا جائے گا۔ إن شاء الله، لہٰذا جہاد کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ایک حدیث میں ہے کہ مجاہدین کے جو گھر والے ہیں اگر کوئی شخص ان کی حفاظت و نگرانی کرے تو وہ بھی جہاد کرنے والے کے حکم میں ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ ان کو مدد پہنچائی جائے اور ان کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔

جہادِ نفس

ایک قسم جہاد کی اور ہے جو ہر مسلمان کے اوپر فرض عین ہے، وہ خود اپنے نفس سے جہاد ہے، یعنی بعض اوقات دل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ کرے، اپنا کوئی فریضہ چھوڑ دے، کوئی غلط کام کر دے۔

انسان کا نفس اس کو بہت مرتبہ بہکا کر غلط اور ناجائز کام کروانا چاہتا ہے۔ اس کا مقابلہ کر کے اس نفس کو شکست دینا یہ بھی جہاد ہے، اسے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جہاد قرار دیا ہے اور فرمایا:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ [۳۷]

---

[۳۶] تمامه: ومن خلف غازيا في سبيل الله بخير فقد غزا. صحيح البخاري، باب فضل من جهز غازيا أو خلفه بخير، كتاب الجهاد والسير، رقم: ۲۸۴۳.

[۳۷] سنن الترمذي، باب ما جاء في فضل من مات مرابطا، أبواب فضائل الجهاد، رقم: ۱۶۲۱

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ لڑائی کرے۔

نفس سے لڑائی یہ کرے کہ اس کا کسی گناہ کے کرنے کا دل چاہ رہا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے اس دل کی خواہش کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس سے لڑائی کرتا ہے وہ بھی مجاہد ہے۔

ہم لوگ جو یہاں دور بیٹھے ہیں اور براہ راست جا کر اس جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تو دو قسم کے جہاد کے مکلّف ہیں ایک مدد پہنچانا اور دوسرے اپنے نفس سے جہاد کرنا۔

اپنے نفس سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے ہماری خواہشات رکاوٹ بنیں تو ان خواہشات سے لڑائی کر کے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ کا صحیح فرماں بردار بندہ بننے کی کوشش کی جائے۔ یہ ہے جہاد نفس۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک جہاد میں تشریف لے گئے، اس جہاد میں اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت عطا فرمائی، وہاں سے واپس مدینہ منورہ آرہے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم جہاد اصغر سے تو فارغ ہو گئے ہو، اب جہاد اکبر کے لئے تیار ہو جاؤ۔ [۳۸]

یعنی تم چھوٹے جہاد سے تو فارغ ہو گئے ہو اب بڑے جہاد کی طرف متوجہ ہو۔ یعنی واپس جا کر ساری زندگی جو اپنے نفس سے مستقل لڑائی لڑنی ہے، اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس جہاد کو جس میں لڑائی اور جنگ ہو رہی ہے اس کو تو جہاد اصغر قرار دیا کہ چھوٹا جہاد اور واپس آ کر فرمایا کہ اب تم بڑے جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بڑے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ اب ہر وقت ہر آن اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار کر لو۔ یہ جہاد ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ اسی کو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ صحیح معنی میں مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس اور نفسانی خواہشات سے جہاد کرے، یہ ہر وقت اور ہر آن فرض ہے۔

معاشرت و معیشت میں مغرب کی تقلید

خاص طور پر اس زمانے میں بھی جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کی حالت

---

[۳۸] رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، ج: ۲، ص: ۷۷۴، وكتاب الجهاد، ج: ٦، ص: ۲۴۵۲.

بہت ہی افسوس ناک ہے۔ سارا عالم اسلام مغربی طاقتوں کا تقریباً غلام بنا ہوا ہے، نہ اپنی مرضی سے حکومت بنا سکتے ہیں، نہ اپنی مرضی سے معیشت چلا سکتے ہیں اور نہ اپنی مرضی سے کوئی فوجی کارروائی کر سکتے ہیں۔ ان کی چشمِ آبرو کو دیکھتے ہیں اور ان کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

یہ حالت کیوں پیدا ہوئی؟ یہ حالت اس لئے پیدا ہوئی کہ ہم نے جہادِ نفس چھوڑ دیا۔ اپنے نفس سے جہاد کا جو مطالبہ قرآن کریم نے بھی کیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے بھی کیا ہے، اس کو چھوڑ دیا۔ خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، کیونکہ مغربی طاقتوں نے کچھ فکری باتیں لوگوں کے اندر پھیلا دی ہیں کہ جسے ہم اچھا کہیں وہ اچھی ہے اور جسے ہم برا کہیں وہ بری ہے۔ یہ ایک ذہنیت بٹھا کر اپنے طریقے، دین، ثقافت اور افکار کو ہمارے اندر پھیلایا اور ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم نے ان کی ساری غلط باتیں تو اپنا لی ہیں اور جو اچھی باتیں کچھ تھیں جو درحقیقت ہمارے اسلام کی تعلیم تھی اس کو ہم بھلا بیٹھے۔

فیشن اس بات کا ہے کہ کسی طرح ہم دیکھنے میں ان جیسے نظر آئیں لیکن اگر ان کے ہاں کچھ اچھی باتیں ہیں جو درحقیقت اسلام کی تعلیمات ہیں، تنظیم ہے، رشوت خوری نہیں ہے، کرپشن نہیں ہے، نظام ہے، قانون کی پیروی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ہم بھلا بیٹھے ہیں، اس لئے کہ ہم نے اپنے نفس سے جہاد نہیں کیا۔

حرام میں نحوست اور حلال میں نفاست ہے

سمجھ میں آرہا ہے کہ سامنے سے رشوت کا پیسہ آرہا ہے اور اس سے خواب کے محل بنائے جارہے ہیں کہ یہ کروڑوں روپیہ مجھے مل جائے گا تو مجھے زندگی کے اندر کتنی اعلیٰ سہولتیں مل جائیں گی اور نفس کہہ رہا ہے کہ لے لو رشوت۔

قرآن تو یہ کہہ رہا تھا کہ تم اپنے نفس سے جہاد کرو، اگر رشوت کی خواہش پیدا ہو رہی ہے تو رشوت نہ لو۔ تمہیں ہزار فوائد نظر آرہے ہوں، ان کو اپنے جوتوں کی نوک پر رکھ کر واپس کردو اور اللہ کے حکم کے پیروی کرو۔ اگر تھوڑا مال ہوگا لیکن حلال طریقے سے حاصل کرو گے تو اس میں برکت ہوگی۔ اس سے تمہاری حاجتیں پوری ہوں گی اور تمہارا دل مطمئن رہے گا، قبر میں تم سے کچھ پوچھا نہیں جائے گا، آخرت میں تم سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔

اگر رشوتیں کھا کھا کر تم نے کوٹھیاں تعمیر کرلیں، بڑی لمبی لمبی گاڑیاں حاصل کرلیں، دنیا کا عیش و آرام حاصل کرلیا تو اس کا کچھ پتا نہیں ہے کہ زندگی کتنے دن کی ہے۔ اسی عیاشی کے دوران کسی بھی وقت تمہارا وقت

آ سکتا ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ ایک آدمی آبدوز کے اندر ایک جہاز کا نظارہ کرنے کے لئے دس لاکھ روپیہ کا ٹکٹ لے کر گیا اور وہاں پر ختم ہو گیا۔ دس لاکھ میں اپنی موت خرید لی۔

وہ کون سا ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان یہ اطمینان حاصل کر سکے کہ یہ جتنی بھی دولت اکٹھی کر رہا ہوں کہ اس سے فائدہ بھی اٹھا سکوں گا یا نہیں؟ یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ اپنے نفس کی خواہشات کو بے لگام چھوڑ دیا ہے، اس کے اوپر کوئی روک عائد نہیں، اس سے لڑائی کا اور جہاد کا کوئی جذبہ نہیں۔ اگر کوئی شخص میدان جنگ میں کافروں سے لڑنے کے لئے کہے تو بعض اوقات گئے سے گئے مسلمان کے اندر بھی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا موقع آتا ہے تو وہاں پر آدمی ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں بتائی ہیں: تقوی اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ تلاش کرو، وسیلہ یعنی نیک اور اچھے اعمال، اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرو۔

یہاں پر جہاد سے مراد اس کافر سے جہاد ہے جو ہمارے دل کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور وہ ہے نفس اور شیطان، جو ہر وقت ہمیں بہکاتا ہے، ناجائز کاموں پر آمادہ کرتا ہے، ہماری نگاہ کے اوپر قابض ہے کہ ہماری نگاہ بے لگام ہے، حرام یا حلال کی کوئی فکر نہیں، دیکھنے میں مزا آ رہا ہے تو ہم اپنی نگاہ استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زبان دی ہے تو زبان بے محابا چل رہی ہے، جھوٹ نکل رہا ہے، غیبت نکل رہی ہے، کسی کی دل شکنی اور دل آزاری ہو رہی ہے، اس کی پرواہ نہیں ہے۔

اس وجہ سے ہم اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں۔ اگر غلامی توڑنی ہے تو پہلے اپنے نفس کی غلامی توڑو اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرو کہ اپنی غلط خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اس کا نتیجہ ہوگا کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

لہٰذا تینوں چیزیں ایسی ہیں: تقوی، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرنا اور یہ اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک اپنے نفس کے ساتھ جہاد نہ کرو۔

دیکھو! دنیاوی مفادات کی خاطر ہر انسان اپنی نفسانی خواہشات کو کچلتا ہے، ایک آدمی کہیں ملازم ہے اور صبح اس کو ڈیوٹی پر جانے کے لئے گھر سے ۸ بجے نکلنا پڑتا ہے، اس کو نیند آ رہی ہے، دل کہہ رہا کہ میں سو جاؤں، آرام کرلوں تو بے شک اس کو سونے کی خواہش ہے لیکن وہ اس خواہش پر عمل نہیں کرے گا بلکہ ڈیوٹی پر

جائے گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں اپنے نفس کی خواہش پر عمل کر کے سو گیا تو میری ملازمت کی چھٹی ہو جائے گی۔ اس لئے وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور ڈیوٹی پر جاتا ہے۔

دنیاوی مفادات کی خاطر ہم بڑی سے بڑی مشکلات برداشت کر لیتے ہیں تو اگر اللہ کے راستے میں، ان کے حکم کی تعمیل میں اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں بھی وہی بات کرلیں کہ اگر میں اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کر لیتا ہوں، یہ حرام مال حاصل کر لیتا ہوں، یہ حرام کام کر لیتا ہوں اور اگلے دن میری چھٹی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے پیش ہونا پڑتا ہے، قبر میں میرے ساتھ کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کیسے کروں گا؟

افسوس ہے کہ یہ فکر پیدا نہیں ہو رہی۔ یہ پیدا ہو جائے تو پھر یاد رکھو کہ سب سے پہلا قدم اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے پھر جا کر ہمیں إن شاء الله غلبہ حاصل ہوگا کہ ہم کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے قابل ہوں گے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے ہمکنار فرمائے گا، لہٰذا یہ کام ہم سب کے ذمہ فرض ہے کہ اپنا اپنا جائزہ لے کر اس بات کی فکر کریں اور اس جہاد نفس پر عمل کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نوٹ: مذکورہ خطاب سے آڈیو بیان mp3 کی صورت میں استفادے کے لئے وزٹ کیجئے:

http://www.deeneislam.com

برادرانہ اتحاد
باری تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

یا اللہ! اس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا فرما دیجئے کہ امت مسلمہ کے اندر یہ درد ہونا چاہئے کہ فلسطین کے مسلمانوں اور مجاہدین کو حتی المقدور امداد پہنچائیں۔

خطاب جمعہ مبارک ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۴۵ھ (5 جنوری 2024ء)
جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

میرے محترم بزرگوں بھائیواور دوستو!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

جناب نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم أخو المسلم، لا يظلمه، ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة. [۳۹]

یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے جو متفق علیہ طور پر صحیح ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ نے ہم مسلمانوں کو ایسی ہدایات عطا فرمائی ہیں کہ اگر ہمارا معاشرہ اس پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لے تو ہمارا معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔ نبی کریم ﷺ کے تمام اوصاف وکمالات اور تعلیمات دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح کا راستہ بتاتی ہیں لیکن یہ جو حدیث میں نے پڑھی ہے یہ ہماری معاشرت کے لئے ایک اہم سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اس میں پہلے تو آپ ﷺ نے ایک اصول بتایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ المسلم أخو المسلم: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

یہی بات قرآن کریم نے فرمائی ہے:

إنما المؤمنون اخوة [۴۰]

اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے اس طرح فرمائی ہے کہ بھائی بھائی کے کیا تقاضے ہیں وہ بیان فرمائے۔

پہلے تو ایک اصول بیان فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

اس میں یہ بتایا کہ اسلام میں اخوت اور بھائی چارہ رنگ ونسل کی بنیاد پر کہ یہ میری بستی کا ہے، میری

---

[۳۹] صحيح البخاري، كتاب المظالم والغصب، باب لا يظلم المسلم ولا يسلمه، رقم: ۲۴۴۲، ج: ۳، ص: ۱۲۸.

[۴۰] سورة الحجرات، الآية: ۱۰

زبان بولتا ہے، میرے ساتھ رہنے والا ہے، اس بنیاد پر اجتماعیت اسلام میں نہیں ہے۔ بھائی چارے کی اصل بنیاد اسلام میں کہ جو مسلمان ہے، چاہے وہ کسی رنگ ونسل کا ہو وہ کوئی زبان بولتا ہو، کسی ملک کا باشندہ ہو وہ دوسرے کا بھائی ہے۔

حجۃ الوداع کا سبق؛ رہنما دستور

سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ آپ کا آخری حج تھا اور اس کے چند ماہ کے بعد نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس موقع پر یہ کہہ کر آپ ﷺ نے خطبہ دیا کہ شاید میں آج کے بعد تم سب کے ساتھ اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں۔

تمام حاضرین کو پہلے یہ پیغام دے دیا کہ یہ آخری وصیتیں ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کا مجمع تھا۔ مختلف قبیلے کے لوگ تھے، ان میں سے بعض مختلف زبانیں بھی بولنے والے تھے۔ ان سب سے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید میں آج کے بعد تمہیں اس جگہ پہ نہ دیکھ سکوں۔ اتنے بڑے مجمع کے سامنے میرا آخری خطاب ہوگا۔ اس خطاب میں نبی کریم ﷺ نے پوری امت کے لئے رہنما اصول بیان فرمائے۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہیں حق بات پہنچا دی۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا کہ:

اللھم اشھد

یا اللہ آپ گواہ رہیے گا کہ میں نے اس بڑے مجمع کے سامنے ساری بنیادی باتیں بیان کر دیں۔

اللھم ھل بلغت

یا اللہ کیا میں نے تبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا۔

ساری باتیں بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ **اللھم اشھد** کہ یا اللہ آپ میرے گواہ رہیے گا۔ لہٰذا اس سے زیادہ قیمتی، نازک اور قابل عمل کوئی اور دستور نہیں ہو سکتا جو سرکار دو عالم ﷺ نے اس وقت میں بیان فرمایا۔

فضیلت کا دار و مدار تقویٰ پر ہے

اس خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ:

لا فضل لعربي على عجمي ولا لأحمر على أسود [۴۱]

خوب سمجھ لو کہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

آپ ﷺ خود عرب تھے۔ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ آپ ساری باتیں عربی میں فرماتے تھے۔ لیکن کھلا اعلان کر دیا کہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔

إلا بالتقوىٰ

البتہ جو شخص تقوی کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ جس شخص کے دل میں تقوی جتنا زیادہ ہوگا وہ دوسروں سے افضل ہوگا۔ چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو اور چاہے وہ سیاہ فام ہو۔ دیکھنے میں اچھا نہ لگتا ہو لیکن اگر اس میں تقوی ہے تو ہزار خوب صورت لوگوں سے بہتر ہے۔

چنانچہ پہلے تو یہ اصول بتا دیا کہ اسلام میں جو بھائی چارے کا تصور ہے وہ کسی زبان، وطن یا کسی نسل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ دین کی بنا پر ہے اور دین میں بھی افضل وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

یہ وہ بنیادی سبق تھا جو نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا اور جب تک مسلمان اس اصول پر قائم رہے الحمدللہ انہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی۔

فتح کا جھنڈا اور بلال رضی اللہ عنہ کی اذان

آپ یہ سمجھئے کہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ وغیرہ، یہ سارے عرب تھے لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے دشمنی ٹھانی۔ اس لئے کہ وہ مشرک تھے اور بلال حبشی، حبشہ کے رہنے والے ایک شخص کو جو غلام تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کروایا انہیں گلے سے لگایا اور انہیں اتنا بڑا فریضہ سونپا جو اسلام کی بنیاد کا سب سے اہم وظیفہ ہے کہ اذان ان سے دلوائی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ان سے بیت اللہ کی چھت پر کھڑا کر کے اذان دلوائی جس سے مکہ مکرمہ کی فتح کا اعلان کیا گیا۔ [۴۲]

---

[۴۱] يا أيها الناس! ألا ان ربكم واحد، وان أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر، الا بالتقوى أبلغت)) قالوا: بلغ رسول الله... الخ، مسند أحمد، حديث رجل من أصحاب النبي ﷺ رقم: ۲۳۴۸۹

[۴۲] أمر بلالا أن يؤذن يوم الفتح على ظهر الكعبة. المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، كتاب السيرة والمغازي، باب غزوة الفتح، رقم ۴۳۰۵.

یہ بات سرکار دو عالم ﷺ نے سکھائی تھی اور جب تک مسلمان اس پر کاربند رہے اور اخوت اسلامیہ کو اپنی بنیاد بنایا اس وقت تک وہ ترقی کرتے چلے گئے۔

لیکن دشمن جانتا ہے کہ یہ مسلمان ایسی چیز ہے کہ اگر اسلام کے نام پر ان کو جمع کیا جائے تو یہ سب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو انہوں نے قومیت کا نعرہ دیا کہ ایک وطن کے رہنے والے وہ ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اور وہ لوگ جو ایک زبان بولتے ہیں وہ ایک قوم ہیں، چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم، اور جو اس قوم سے باہر ہے وہ اپنا نہیں ہے وہ غیر ہے۔ یہ تصور پھیلایا۔

اس تصور کے نتیجے میں جو خلافت عثمانیہ ترکی میں قائم تھی اور آدھی دنیا پر ان کی حکومت قائم تھی جس میں عرب، ترک، ہندوستانی، برمی، بنگالی، سندھی اور پٹھان، سب ایک خلافت کے پرچم کے نیچے جمع تھے۔ جب تک وہ خلافت قائم رہی الحمدللہ مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ پوری دنیا پر قائم تھا۔ لیکن جب دشمن نے دیکھا کہ اسلام کا نعرہ ایسا ہے جو مشرق اور مغرب کے انسانوں کو ایک پرچم تلے جمع کر سکتا ہے تو انہوں نے قومیت کا نعرہ دیا۔ عربوں سے جا کر کہا کہ تم پر ترک لوگ حکومت کر رہے ہیں اور ترک لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ترک ہو اور عربوں سے تمہاری کیا نسبت۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے خلافت کو توڑ دیا۔ اب عرب الگ ہو گئے اور ترک الگ ہو گئے۔ اور قومیت کے اس تصور نے مسلمانوں کی وہ قوت جو ایک جگہ مجتمع تھی اس کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا۔

خلافت عثمانیہ کے زمانے میں جتنے عرب ممالک ہیں: سعودی عرب، امارات، بحرین، اردن، شام فلسطین یہ سب ایک جھنڈے کے نیچے تھے۔ اور ہندوستان، پاکستان کا علاقہ، برما اور سنگاپور، وہاں تک خلافت عثمانیہ پھیلی ہوئی تھی۔ یورپ کے کئی ممالک خلافت عثمانیہ کے ایک جھنڈے تلے زیر نگیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خلافت عثمانیہ کے ذریعے دشمن قوتیں کانپتی تھیں، ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے بزرگ تو ترکی جانتے ہی نہ تھے، یہ مقولہ مشہور ہو گیا تھا کہ:

زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم
چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہان من

ترجمہ: میرے یار کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا، کیا ہی اچھا ہو اگر اس کی زبان میرے منہ میں ہو۔

لیکن ہمارے حضرات نے خلافت کا نعرہ لگایا اور اس کے نیچے آنے کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں کا جسم ایک جسم رہے اور دشمن کے مقابلے میں کام کریں۔ لیکن یہ وطنیت، رنگ، زبان اور نسل کے فتنے پھیلا کر ہماری

اس وحدت کو پارہ پارہ کردیا گیا۔

اسی لئے اقبال نے کہا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے [۴۳]

یہ وطن کا لفظ کہ یہ میرا وطن ہے۔

یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ ایک وطن میں رہنے والوں کے آپس میں حقوق ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بھائی چارہ کوئی بری بات نہیں ہے لیکن پوری امت کے لحاظ سے اگر بھائی چارہ ہوسکتا ہے تو وہ اسلام کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۖ [۴۴]

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

---

[۴۳] مزید استفادے کے لئے غزل کا بقیہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے غارت گرِ کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

کلیات اقبال، بانگ درا، صفحہ ۱۸۷، وطنیت۔

[۴۴] سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۰۳

ٹھیک ہے کہ بھئی ہم وطن ہونے کے لحاظ سے بھی محبت ہوتی ہے چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، یہ محبت کوئی بری بات نہیں ہے۔ جو میری زبان بولتا ہے میں اس سے تعلق رکھتا ہوں، اس سے مجھے مناسبت ہے، اس کے ساتھ میں محبت رکھتا ہوں۔ یہ اپنی جگہ لیکن بحیثیت مجموعی پوری امت کا جو تصور ہے وہ وطنیت اور قومیت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ وہ دین اور اسلام کے نام پر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی یہ اصول ارشاد فرمایا اور اس حدیث میں بنیاد اس کو بنایا کہ **المسلم أخو المسلم** کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

بھائی ہونے کے تقاضے کیا ہیں؟ وہ آگے اس حدیث میں بیان فرمائے:

سب سے پہلا تقاضا یہ بیان فرمایا کہ لا یظلمه:

کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا۔

ظلم نہیں کرتا: یہ ایک مختصر لفظ ہے لیکن اس کے اندر بے شمار معانی پوشیدہ ہیں۔ ظلم نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ناانصافی نہیں کرتا، ناانصافی چاہے وہ اس طرح ہو کہ اس کے مال پر ناجائز قبضہ کرلے، یہ ظلم ہے۔

رشوت بھی اسی میں آجاتی ہے کہ آپ ایک ایسے کام پر اپنے بھائی سے پیسے لے رہے ہیں کہ جو تمہارے ذمے پہلے ہی فرض تھا، تم نوکر اور ملازم ہی اس کام کے لئے ہوئے تھے اور وہ کام کرتے ہوئے تم کہتے ہو کہ پہلے مجھے پیسے دو تو میں یہ کام کروں گا۔

یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ کسی کے مال پر ناحق قبضہ کرلینا، ایک شخص کا انتقال ہوا تو اب شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کے تمام ورثاء کو شریعت کے مطابق میراث میں ان کے حصے دیئے جائیں، ان ورثاء میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ ص
وَلِلنِّسَاءِ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ
كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ٥ [۴۵]

ترجمہ: مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال

---

[۴۵] سورة النساء، الآية: ۷

میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،
چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر
ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حصہ الگ بیان فرمایا لیکن آج کیا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب جائیداد بڑی جائیدادیں، مال، دولت اور کاروبار چھوڑ کر گیا تو جو قوی یا بڑا بھائی ہے وہ اس کے اوپر قبضہ کر کے بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ بیشتر معاشرے میں عورتوں کو تو حق دیا ہی نہیں جاتا، عورتوں کو میراث میں کوئی حق نہیں دیا جاتا۔ اب یہ اسلام، شریعت، قرآن اور سنت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کہ عورتوں کو محروم کر دیا جائے اور انہیں حق نہ دیا جائے۔

چنانچہ **ظلم کا ایک مطلب** یہ ہوتا ہے کہ اس کا مال انسان ناجائز طریقے سے کھا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔

دوسرا ظلم اس طرح کہ اس کی غیبت کرے، اس کے اوپر بہتان لگائے، اس کے بارے میں ایسی باتیں کرے جو اس کے لئے دل آزاری کا سبب ہو۔

کسی سے بات کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرنا اور ایسا غصہ کرنا جس کے نتیجہ میں اس کا دل ٹوٹ جائے یہ بھی ظلم ہے۔

ایک جملے میں نبی کریم ﷺ نے ساری بات بیان فرما دی کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا کبھی اس کے اوپر ظلم نہیں کرے گا۔ ایک پائی کا ظلم نہیں کرے گا۔ کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا، کوئی کلمہ ایسا نہیں بولے گا جو اس کی دل آزاری اور ستانے کا سبب بنے۔ ساری باتیں اس کے اندر آ گئیں، اگر بندہ اس کی تفسیر میں جائے تو پوری شریعت کے احکام اس کے اندر آ جاتے ہیں۔

دوسرا تقاضا یہ ارشاد فرمایا وَ لا یُسْلِمُہٗ:

ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ظالم کے قبضے میں بے یار مددگار نہیں چھوڑتا یعنی خود تو ظلم کرتا ہی نہیں ہے لیکن اگر کہیں دیکھ رہا ہے کہ ایک شخص دوسرے پر ظلم کر رہا ہے، ایک ظالم ہے دوسرا مظلوم ہے۔ صرف دیکھتا رہے کہ ظلم مجھ پر تو نہیں ہو رہا اس دوسرے کی کوئی مدد نہ کرے اس کو ظالم سے چھڑانے کی کوئی کوشش نہ کرے۔ اس کو فرمایا کہ **لا یسلمہ** کہ کسی مظلوم کو اس کے دشمن کے حوالے نہیں چھوڑتا کہ بس اس کے حوالے کر دیا جائے، اور یہ بیٹھا دیکھتا رہے کہ ظالم اس پر ظلم کر رہا ہے اور یہ اس کو منع کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے

اور اس کو ظالم کے پنجے سے نہ چھڑائے۔

یہ بھی کسی مسلمان کا کام نہیں بلکہ جتنا کسی شخص کی قدرت و استطاعت میں ہو وہ اپنی سی پوری کوشش کرے کہ مظلوم کو ظالم کے شکنجے سے نکالے یہ بھی ایک فریضہ ہے جو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ ایک آدمی فضول پٹ رہا ہے اور دوسرا اس پر بلا وجہ ظلم کر رہا ہے تو آپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ بلکہ حتی الامکان اپنی بساط کی حد تک اس کو ظالم کے پنجے سے چھڑانا آپ کے ذمے ضروری ہے۔

جیسے انسان کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے کہ اگر میرے اوپر کوئی حملہ آور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حق دیا ہے کہ میں اس کا مقابلہ کروں اسی طرح اگر کسی مسلمان پر ناحق ظلم ہو رہا ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے چھڑائے، تماشہ نہ دیکھے کہ دیکھیں کون غالب آتا ہے؟ ظالم یا مظلوم؟ بلکہ اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اس کو چھڑانے کی کوشش کرے۔

لیکن یہ جو فرمایا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ظالم کے ہاتھوں پٹتے ہوئے نہ دیکھے بلکہ اپنی حد تک اس کی امداد اور نصرت کرے، اس کو ظالم کے پنجے سے بچانے کی کوشش کرے۔ یہ ہر مسلمان کے ذمہ اس کی اخوت اسلامیہ کا فرض ہے۔ لہٰذا اسی کی تشریح ایک اور حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمائی کہ:

ترى الـمُؤْمِنينَ في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد، اذا اشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى. [۴۶]

تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جیسے ایک جسم کے کسی عضو کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے، ہاتھ میں کوئی تکلیف ہو جائے تو اس کی تکلیف سارا جسم محسوس کرتا ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے اس جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ساری رات جاگتا ہے۔ اس لئے کہ جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو رہی ہے اور کسی کی آنکھ میں تکلیف ہو جائے تو سارا جسم اس سے متاثر ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس مسلمان میں سے کسی ایک مسلمان کو یا ایک مسلمان گروہ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اس تکلیف کا صدمہ اور اس تکلیف کا دکھ ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہئے اور فرمایا کہ:

---

[۴۶] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، رقم: ۶۰۱۱.

المؤمن للمؤمن كالبنيان، يشد بعضه بعضا. [۴۷]

سارے مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں کہ عمارت کا ہر حصہ وہ پوری عمارت کی مضبوطی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مقصد گفتگو/توجہ

یہ جو ارشاد ہے میں اس کی طرف خصوصی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم آج فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی مظلومیت اپنی اشکبار آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، بچوں اور عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے، بائیس ہزار سے زیادہ شہداء ہو چکے ہیں اور اس میں عورتوں اور بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے نوزائیدہ بچے جنہیں ماں کا دودھ بھی نصیب نہیں ہوا اس سے پہلے اس ظالم دشمن نے ان کو شہید کر دیا۔

یہ سارا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ یہ سارا نظارہ جو میں دیکھ رہا ہوں کہ کیا میرے سامنے یہ تماشہ ہو رہا ہے؟ اس کے اندر میں کتنی مدد کر سکتا ہوں؟ مال و جان سے، آواز اٹھانے سے۔

اصل بات تو یہ تھی کہ وہاں جا کر انسان بذات خود لڑائی میں شریک ہوتا اور مسلمانوں کی مدد کرتا، اسلحہ اور اپنی جان و مال سے مدد کرتا لیکن افسوس ہے کہ ہمارے حریفوں اور دشمنوں نے ایسے حصار قائم کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے یہ صورت حال مشکل ہو گئی ہے کہ آدمی ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل ہو کر اپنے بھائی اور بہنوں کی مدد کرے لیکن اول تو اس کی کوشش بھی ہمارا فرض ہے کہ ان حصاروں کو اٹھایا جائے اور ان پابندیوں کو ختم کیا جائے اس کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جا کر جسمانی طور مدد نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے بھی کچھ کوششیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔

مظلوم فلسطینی مسلمان_ تقاضائے حال

لیکن ہر عام انسان جو بیچارہ یہ نہیں کر سکتا تو وہ دو کام تو کر سکتا ہے: وہ کام یہ ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں اور بہنوں کی مدد کے لئے جو کچھ دے سکتا ہو وہ دے، اس کے راستے تلاش کرے کہ کہاں سے میں ان کو مالی طور پر مدد پہنچا سکتا ہوں۔ کیونکہ حالت یہ ہے کہ پورا غزہ شہر اجڑ گیا ہے۔ گھر منہدم ہو گئے ہیں، پانی نہیں مل

---

[۴۷] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضا، رقم: ٦٠٢٦.

رہا، غذا نہیں مل رہی، علاج میسر نہیں ہے، دوائیں موجود نہیں ہیں، ایسی حالت میں ہر مسلمان کے دل میں یہ درد ہونا چاہئے کہ میں کتنی مدد کرسکتا ہوں اور اس میں غریب امیر کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

یاد رکھو! اگر کوئی غریب آدمی جو مال دار نہیں ہے، زکوۃ بھی اس کے ذمے فرض نہیں، لیکن وہ ایک روپیہ تو دے سکتا ہے، دس روپے تو دے سکتا ہے۔ وہ دس روپے جو ایک غریب آدمی اپنی تنخواہ میں سے اپنا پیٹ کاٹ کر دے رہا ہے وہ اس دس لاکھ اور دس کروڑ سے بہتر ہے جو ایک امیر آدمی دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اخلاص میں وہ برکت رکھی ہے کہ تھوڑا سا مال اور تھوڑی سی رقم جو انسان اپنی استطاعت کی حد تک محدود رکھ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے، اس کی برکت ایسی ہوتی ہے کہ وہ لاکھوں روپوں کے اوپر بھاری آجاتی ہے، فائدہ بھی اس کا زیادہ پہنچتا ہے۔

لہٰذا ایک تو ہر مسلمان کے دل میں یہ درد ہونا چاہئے کہ میں کیسے ان کو پیسے پہنچاؤں! الحمدللہ کئی راستے کھلے ہوئے ہیں، جو کم از کم غزہ کے مظلوم ہیں ان تک پہنچانے کے بہت سے راستے کھلے ہوئے ہیں اور بہت سی تنظیمیں ہیں جو اس میں کام کر رہی ہیں، الحمدللہ ہمارے دارالعلوم کی طرف سے بھی اس کا انتظام موجود ہے لیکن بس آدمی دیکھتا رہے اور کبھی کچھ اس میں حصہ نہ لے تو یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا ہو

ہمارے اندر یہ درد ہونا چاہئے، دوسروں تک اس بات کو پہنچانا چاہئے اور دوسروں کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ یہ امداد پہنچائیں۔

دعا مؤمن کا ہتھیار ہے

سب سے بڑی امداد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انسان ان کو اپنی دعاؤں میں ان کو شامل کرے، کوئی نماز خالی نہیں جانی چاہے جس میں ان مجاہدین کے لئے اور ان مظلومین کی فتح ونصرت کے لئے دعا نہ ہو۔

یہ دعا معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ مومن کا ہتھیار ہے، اس ہتھیار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑے بڑے لشکروں پر فتح عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر اور کچھ نہیں تو انسان یہ تو کرے کہ کوئی نماز ان مجاہدین اور مظلومین کے لئے دعا سے خالی نہ ہو۔

اگر ہم یہ نہیں کریں گے جو کچھ ہماری استطاعت میں ہے تو اس حدیث کی وعید میں آئیں گے کہ مومن

نہیں ہے وہ شخص جو مظلوم کو ظالم کے ہاتھ میں دیکھنے کے باوجود اس کی کوئی مدد نہ کرے۔
اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار

آج سے ۵۶ سال قبل عرب اسرائیل جنگ **1967** میں عربوں کی المناک شکست کے پس منظر میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی **حفظہ اللہ** نے ماہنامہ البلاغ میں اداریہ لکھا تھا جس کا مطالعہ موجودہ حالات کے تناظر میں فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، اس لئے افادۂ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار[۴۸]

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے پیغمبر پر جنہوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا

بالآخر اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کو شکست ہوگئی، عرب ممالک جو مقبوضہ فلسطین کو اسرائیل کے چنگل سے آزاد کرانے کا عزم لے کر چلے تھے، خود اپنے خطۂ زمین سے چوبیس ہزار مربع میل کا علاقہ کھو بیٹھے۔ بیت المقدس ــ ہمارا قبلۂ اول ــ ہمارے ہاتھوں سے چھن گیا۔ مسجد اقصیٰ جو دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آواز سے گونجا کرتی تھی۔ آٹھ سو سال کے بعد یکلخت خاموش ہوگئی۔ فلسطین کی مقدس سرزمین جہاں کم وبیش ایک لاکھ انبیاء علیہم السلام کے سانسوں کی مہک آج بھی موجود ہے۔ اس بدطینت قوم کی شکارگاہ بن گئی جس کی لغت میں امن و انصاف اور اخلاق وشرافت کے نام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔

صحرائے سینا جو کبھی یہودی قوم کے لئے میدان تیہ بنا تھا۔ آج وہاں اسرائیل کے فاتح ٹینک دندنا رہے ہیں۔ کوہ طور جسے باری تعالیٰ کی تجلی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جس کے دامن میں یہودیوں پر عذاب الٰہی کے کوندے لپکے تھے۔ آج اسی کوہ طور پر نجم یہود کا پرچم لہرا رہا ہے۔ شام، اردن اور بیت المقدس کی وہ سرزمین جسے قرآن کریم نے ہمیشہ ارض مبارکہ اور ارض مقدسہ کے نام سے یاد کیا ہے آج وہی ارض مبارک قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ وہاں بزعم خود خدا کے محبوب بیٹے اپنی سنگینوں کی نوک سے وحشت وبربریت کا ایک نیا باب لکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ ان کے گھر بار

---

۴۸ نظم کا بقیہ حصہ:

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار　　وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی　　بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے　　بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

چھینے جا رہے ہیں ان کی عصمتیں لٹ رہی ہیں انسانیت کا منہ نوچا جا رہا ہے اور **معاہدہ جنیوا**[۴۹] (Geneva Conventions) کو ظلم وستم کی اس آگ کا ایندھن بنالیا گیا ہے جو توحید کے فرزندوں کے لئے سلگائی گئی ہے۔

بلا شبہ یہ موجودہ عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ ہے جس پر آج ہر مسلمان کا دل بے چین اور آنکھ اشکبار ہے۔ الفاظ کے الٹ پھیر سے حقائق کا مفہوم نہیں بدلا کرتا۔ ہمیں کھل کر اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ ایک زبردست شکست ہے۔ ایک ایسی شکست جس کی نظیریں اسلام کی تاریخ میں نظر نہیں آئیں کہ صرف اسی گھنٹے میں متعدد عرب ملکوں کی پوری طاقت تباہ و برباد ہوگئی۔ آٹھ ہزار مربع میل پر بسنے والے ملک نے چوبیس ہزار مربع میل فتح کرلیا۔ آٹھ سو سال کے بعد بیت المقدس سے ہاتھ دھو بیٹھنا کوئی ایسا زخم نہیں ہے جسے آسانی سے بھولا جا سکے یہ زخم اس وقت تک ٹیسیں دیتا رہے گا جب تک کوئی صلاح الدین ایوبی اس پر مرہم رکھنے کے لئے کھڑا نہ ہو۔

لیکن ہمارا ایمان ہے کہ اس دنیا میں کوئی واقعہ اور کوئی حادثہ بلا وجہ نہیں ہوتا۔ ہر حادثہ کے پیچھے ظاہری اسباب وعوامل کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے، اسی طرح ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر حادثہ اپنے پہلو میں عبرت و موعظت کا ایک عظیم الشان درس لے کر آتا ہے۔ یہاں ہر ٹھوکر سنبھلنے کے لئے لگتی ہے اور ہر سانحہ بیدار کرنے کے

---

[۴۹] معاہدہ جنیوا: اس معاہدے کا مسودہ ابتدا میں **1864**ء میں سوئٹزلینڈ کے شہر جنیوا میں ایک کانفرنس کے دوران تیار کیا گیا تھا۔ بعد ازاں **1906**ء میں اس کی جگہ ایک نیا معاہدہ کیا گیا۔ **1906**ء کے اس معاہدہ پر بھی جنیوا ہی میں دستخط کیے گئے۔ پہلے معاہدے کے تحت جنگ کے دوران طبی امداد کا کام کرنے والے کارکنوں اور اس مقصد کے لیے استعمال ہونے والی عمارتوں، ساز وسامان اور گاڑیوں کے تحفظ کا اہتمام کیا جاسکتا تھا۔ دوسرے معاہدے میں پہلے معاہدے کے تحفظات کے ساتھ ساتھ اس کے مقاصد میں توسیع کردی گئی۔ **1906**ء کا دوسرا معاہدہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا جس کے تحت زخمیوں کی دیکھ بھال کے انتظامات کے ساتھ ساتھ جنگ کے دوران لڑائی کے بعض سفاکانہ طریقوں کی ممانعت پر بھی سمجھوتہ ہوگیا۔ چنانچہ **1907**ء میں اس کے تحت ایک امن کانفرنس بھی منعقد ہوئی۔ جس میں رکن ممالک سے معاہدہ جنیوا کی پابندی کرنے کی پرزور اپیل کی گئی۔

1929ء میں جنیوا کے مقام پر جو تیسرا معاہدہ ہوا اس میں جنگی قیدیوں کے تحفظ پر بطور خاص توجہ دی گئی۔ اس معاہدے کے تحت نہ صرف جنگی قیدیوں سے بہتر سلوک کرنے کا اصول طے پایا بلکہ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جنگی قیدیوں سے خاص نوعیت کے اہم علومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ یہ تیسرا معاہدہ اصل میں پہلی جنگ عظیم کے تجربات کی روشنی میں کیا گیا تھا۔ اور اس کے تحت جنگی قیدیوں کے ساتھ ساتھ جنگ سے متاثر ہونے والے شہریوں کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے تجربات کی روشنی میں اس معاہدہ میں مزید ترامیم کی گئیں۔ اس مقصد کے لیے ابتدا میں **1946**ء میں بات چیت ہوئی لیکن سمجھوتا کہیں **1949**ء میں جا کر ہوا۔ اس مقصد کے لیے **61** ملکوں کے نمائندے جنیوا میں جمع ہوئے۔ اب تک دنیا کے تقریباً بہت سے ملک اس معاہدے کی توثیق کر چکے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت رکن ممالک اس امر کے پابند ہیں کہ فوجی افسروں اور سپاہیوں سے، خواہ ان کا تعلق کسی قوم اور کسی نسل سے ہو، زخمی ہو یا بیمار ہونے کی صورت میں یکساں اور بہتر سلوک کیا جائے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والوں، ان عمارتوں جہاں ایسے افراد مقیم ہوں اور ایسی گاڑیوں جو انہیں لانے اور لے جانے کے لیے استعمال کی جارہی ہوں کی حفاظت کا اہتمام بھی معاہدے میں کیا گیا ہے۔ یہ کام ریڈ کراس (Red Cross) کا ادارہ کرتا ہے اور اس کے لیے تحفظات کا اہتمام معاہدہ جنیوا کی مختلف شقوں میں کردیا گیا ہے۔

لئے آتا ہے۔ زندگی کے پر پیچ راستوں پر وہی قومیں ترقی کی منزلیں طے کر سکتی ہیں جو ٹھوکریں کھا کر سنبھلنے کا ہنر جانتی ہوں اور ان کے سینوں میں اپنی شکست کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کی بجائے اپنی خام کاریوں کا فطری نتیجہ سمجھنے کا حوصلہ ہو۔

اس لئے ہمارا کام اس المناک سانحے پر حسرت وافسوس کے آنسو بہا کر ختم نہیں ہو جاتا۔ ہماری تاریخ کا یہ زبردست المیہ ہم سے کچھ سوچنے سمجھنے کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اس دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں ہمیں اس کا یہ مطالبہ پورا کرنا ہوگا۔ بلاشبہ عربوں کو موجودہ مختصر جنگ میں عبرتناک شکست ہوئی ہے لیکن **پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ حسرتناک شکست قدرت کا ایک تازیانہ ہے اور اگر ہم نے اس تازیانے سے کوئی مفید سبق سیکھ لیا تو یہ شکست ایک شاندار فتح میں تبدیل ہوسکتی ہے یہ آنسو بہا کر جی چھوڑ دینے کا موقعہ نہیں ہے یہ عزائم کو تازہ اور امنگوں کو بیدار کرنے کا وقت ہے۔** یہ اپنی ان خامیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لینے اور ان کے تدارک کے راستے تلاش کرنے کا وقت ہے، جن کی وجہ سے ہمیں یہ شرمناک دن دیکھنا پڑا۔

آیئے آج کی نشست میں اس شکست کے اسباب اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج پر غور کرنے کی کوشش کریں۔

ہمدردی کے سطحی اور اوپری جذبات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے عرب بھائیوں کی اس مصیبت کے وقت میں ان کی کسی ایسی غلطی کی کھل کر نشاندھی نہ کی جائے جو انہیں اس شکست کا موردالزام قرار دیتی ہو لیکن ہمارے نزدیک اس طریقے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا اور نہ یہ ان کی سچی خیر خواہی ہوگی۔

عالم اسلام کی اجتماعی بہبود کا تقاضا یہ ہے کہ اس موقعہ پر ان تمام غلطیوں کی کھل کر نشان دہی کی جائے جو اس شکست کا سبب بنی ہیں۔ اس لئے ہم اپنی آئندہ صاف گوئی پر اپنے بھائیوں سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں اور چونکہ اس تلخ نوائی کا محرک خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ یہ برادرانہ شکوے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سنے جائیں گے۔

قرآن وسنت اور قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات بالکل آشکار ہو جاتی ہے کہ کسی قوم یا کسی ملت کو دنیوی سربلندی محض اس بنا پر نصیب نہیں ہوا کرتی کہ وہ آسمان سے عروج واقبال کا پیدائشی حق دنیا میں لے کر آئی ہے،

عادت اللہ شروع سے کچھ اس طرح جاری ہے کہ اس جہد وعمل کی دنیا میں ہر ایک کو اس کی کوشش کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے۔ مسلمان بھی قدرت کے اس اٹل قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں، بلاشبہ ان کو خیر الامم کا قابل فخر خطاب

عطا کیا گیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسلمان قوم اللہ کی محبوب ترین قوم ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ تسلیم ہے کہ روئے زمین پر کوئی دین مسلمانوں کے دین کا ہمسر نہیں ہے۔ لیکن ان تمام باتوں سے نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا کہ کوئی قوم صرف زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر کے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اوج ثریا کو چھو سکتی ہے اور اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے تب بھی ترقیوں اور کامیابیوں کے ذمے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود آ کر اس کے پاؤں چومیں۔

ترقی وکامیابی کا راز

قرآن کریم اور تاریخ اسلام کا ایک سرسری مطالعہ بھی یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ مسلمانوں کو سر بلند کرنے کے لئے تمام وعدے دو شرطوں پر موقوف رکھے گئے ہیں:

۱......... صحیح معنی میں مسلمان بن کر اپنی زندگی کو ہر شعبے میں اسلام کے تابع بنالینا۔

۲........ ترقی کے ظاہری اسباب ووسائل جمع کرنے کی کوشش کرنا۔

یہ دو چیزیں وہ ہیں جن میں ہماری ترقی اور کامیابی کا راز مضمر ہے اور جن کو قرآن کریم نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایک طرف ارشاد ہے:

وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ [۵۰]

اورتم سر بلند ہو، اگر تم مؤمن ہو

دوسری طرف فرمایا جاتا ہے:

وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ. [۵۱]

اوران (دشمنوں) کے لئے ہر وہ قوت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار کرو جن کی تم میں استطاعت ہے اور جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے۔

تاریخ اسلام کے جس انقلاب پر آپ نظر ڈالیں گے، قرآن کریم کے ان ارشادات کی صداقت واضح ہوتی چلی جائے گی جہاں مسلمانوں نے سچا مسلمان بن کر ظاہری وسائل واسباب جمع کرنے کی امکانی کوشش کی

---

[۵۰] سورة آل عمران، الآية: ۱۳۹ [۵۱] سورة الأنفال، الآية: ۶۰

ہے تو خواہ وہ اس کوشش کے باوجود دشمن کے مقابلہ میں کتنے ہی کم حیثیت کیوں نہ رہے ہوں، ہمیشہ فتح کا سہرا انہی کے سر بندھا ہے۔ شکست کی ذلت مسلمان کو صرف اس وقت اٹھانی پڑتی ہے جب وہ ان دونوں احکام میں کسی سے منہ موڑ بیٹھا ہو۔

بیت المقدس کی تاریخ

بیت المقدس ہی کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے تو ہمارے اس دعوے کی تصدیق سامنے آجائے گی، بیت المقدس کو سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس زمانہ کے مسلمان حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے پیروکار تھے، جب تک ان میں صلاح وفلاح اور جہد وعمل کے آثار باقی رہے صرف بیت المقدس ہی نہیں، حجاز اور یمن تک ان کے عروج واقبال کا پرچم لہراتا تھا اور بحیرہ روم کے مشرقی کناروں سے لے کر افریقہ کے مشرقی ساحلوں تک ان کی ایک ہی حکومت تھی لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کا بیٹا رجعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر اپنے والد ماجد کی تمام روایات کو پس پشت ڈال دیا۔ اس کا فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک خادم یُربعام نے مرکز کے خلاف بغاوت کر کے شمال میں اسرائیل کے نام سے ایک الگ سلطنت قائم کر لی۔ اب بنی اسرائیل جو اس زمانہ کے مسلمان تھے۔ دو حکومتوں میں بٹ گئے۔ شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس پایہ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم (بیت المقدس) تھا۔ اس افتراق وانتشار کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کی جو عسکری قوت کبھی ملکۂ سبا کے دروازوں پر دستک دیا کرتی تھی اب باہمی خانہ جنگی میں صرف ہونے لگی۔ یہودیہ اور اسرائیل دونوں سلطنتیں سالہا سال تک ایک دوسرے سے لڑتی رہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ میں ۹۳۷ ق م سے لے کر ۵۸۶ ق م تک کا پورا عرصہ ان خانہ جنگیوں کی دل خراش داستان ہے اور جنگ میں بعض اوقات پانچ پانچ لاکھ بنی اسرائیل کا خون بہا، مگر اقتدار کی یہ رسہ کشی بند نہ ہوئی۔ دوسری طرف بنی اسرائیل نے اپنے آباؤاجداد کے دین کو بالکل پس پشت ڈال کر بت پرستی اور ستارہ پرستی شروع کردی۔ حکمرانوں نے عیاشی پر کمر باندھ لی اور علماء میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر مذہبی اختلافات پھوٹ پڑے۔ اس دوران اللہ کی طرف سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اجالا پھیلانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ مگر چند مختصر وقفوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کا زمانہ بداعمالیوں اور عیش پرستیوں میں بسر ہوا۔

قدرت کسی قوم پر اپنا قہر اور عذاب ایک دم سے نازل نہیں کرتی بلکہ پہلے اسے مختلف طریقوں سے

جھنجھوڑتی ہے چنانچہ اس موقعہ پر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے علاوہ بنی اسرائیل کو بیدار کرنے کے لئے ہلکے ہلکے تازیانے بھی لگائے جاتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد بیرونی طاقتیں ان پر حملہ آور ہوتیں اور ان کی سرحدوں کو مختصر کر کے واپس لوٹ جاتیں کبھی مصر کا بادشاہ چڑھ آتا کبھی صور کا حکمران حملہ کر دیتا، کبھی ارام کا فرمانروا یلغار کرتا ہوا یروشلم تک پہنچ جاتا لیکن یہ تمام حملے جزوی طور پر نقصانات پہنچا کر واپس چلے جاتے۔ بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے کہ بیرونی دشمن ہماری تاک میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فوجی قوت میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے لیکن ان کی آنکھ نہ کھلی، عیش و آرام کے خلوت کدوں کو چھوڑ کر عمل کے خارزاروں میں اترنا ان کے مزاج نازک کے خلاف تھا۔

حضرت ارمیا، حضرت شعیا اور حضرت حزقیل علیہم السلام انہیں متواتر جھنجھوڑتے رہے کہ خدا کے لئے اپنی حالت درست کرلو، بابل کا بادشاہ تمہاری چاردیواری تک پہنچ چکا ہے اور اگر تمہیں ہوش نہ آیا تو تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا، مگر ''بابر بعیش کوش'' کے نغموں میں مست لوگ بابل کی طرف پیٹھ موڑ کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم مامون ہو چکے ہیں اور یہود علماء کو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم اللہ کی محبوب ترین قوم ہیں۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں۔ دشمن جب یروشلم کا رخ کرے گا تو آسمان کی غیبی طاقتیں اس پر بجلیاں برسائیں گی اور وہ بھسم ہو کر رہ جائے گا۔

ان حالات میں ٹھیک اس وقت جب کہ حکام عیش و نشاط میں محو تھے اور علماء اس بات پر مناظرے کر رہے تھے کہ ایک سوئی کے ناکے پر کتنے فرشتے بیٹھ سکتے ہیں؟ بابل کا جابر بادشاہ بخت نصر ان پر قہر خداوندی بن کر نازل ہوا۔ یروشلم (بیت المقدس) اور اس کے گردونواح سے بنی اسرائیل کا بیج مار گیا۔ اس کی فوج کیا تھی؟ ایک طوفان تھی جس نے مزاحمت کی ہر دیوار کو ڈھا کر یہودیوں کی پوری سلطنت کو پیوند زمین کر ڈالا اور ظلم و ستم کے ایسے ایسے اسلوب ایجاد کئے جنکا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے ذبح کئے گئے، بادشاہ اور رہے سہے یہودی پابہ زنجیر بابل لے جائے گئے اور پچاس سال تک بخت نصر کی غلامی میں حسرت و ندامت کے آنسو بہا کر اپنے دن کاٹتے رہے۔

قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل میں اسی قہر الٰہی کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ○ [۵۲]

---

[۵۲] سورة بني إسرائيل، الآية: ۵

ہم نے ان پر اپنے کچھ بندے بھیجے جو شدید قوت والے تھے وہ
گھروں میں گھوم گئے اور یہ ہونے والا وعدہ تھا۔

اس زبردست طوفان نے بنی اسرائیل کی کچھ آنکھیں کھول دیں۔ان کی غلامی کی زندگی پہلے کی بہ نسبت کافی پاکیزہ ہوچکی تھی، آپس کے اختلافات کم ہو گئے تھے اور تمام لوگوں کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے، قدرت نے انہیں ایک اور موقعہ دیا۔ ۵۳٦ ق م میں ایران کا بادشاہ خسرو نے بابل پر چڑھائی کرکے اسے فتح کرلیا اور بنی اسرائیل پر رحم کھا کر انہیں دوبارہ بیت المقدس تعمیر کرنے اور فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی، چنانچہ ۵۱۵ ق م میں بیت المقدس دوبارہ آباد ہوا اور بنی اسرائیل نے حضرت عزیر علیہ السلام کی موجودگی میں رو رو کر توبہ کی اور آئندہ خدا کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔کچھ عرصہ تک یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے۔رفتہ رفتہ ان کی عیش و مسرت کی زندگی پھر لوٹ آئی۔قرآن کریم اسی نئی زندگی کا تذکرہ اس طرح فرماتا ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَ بَنِيْنَ
وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ٥ [۵۳]

اس کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے انہیں یہ تنبیہ بھی فرمادی گئی کہ:

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط [۵۴]

(اب) اگرتم اچھے کام کروگے تو تمہارے لئے مفید ہوں گے اور
اگرتم نے بدکاری کی تو اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔

لیکن نکوکاری کی یہ زندگی پائدار ثابت نہ ہوئی، خوشحالی بڑھی تو عیش ونشاط کی وہ محفلیں پھر لوٹ آئیں۔ بت کدے پھر آباد ہونے لگے۔فارغ البالی نصیب ہوئی تو ایک دوسرے سے جھگڑنے کا مشغلہ پھر زندہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل پھر اسی حالت کو پہنچ گئے جس میں ان پر بخت نصر کا عذاب نازل ہوا تھا۔اس مرتبہ بخت نصر کی جگہ روم کے بادشاہ آنٹیوخوس اپی فانیس (Antiochus Epiphanes 4th) نے ۱٦۵ ق م میں بیت المقدس پر حملہ کرکے دوبارہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔تورات کے تمام نسخے چن چن کر جلادیئے۔بنی اسرائی کو ایک ایک کرکے تہ تیغ کیا اور جو لوگ بچ گئے تھے انہیں لوٹ کھسوٹ کر جلاوطن کردیا۔

---

۵۳ سورة بني إسرائيل، الآية: ٦ ۵۴ سورة بني إسرائيل، الآية: ٧

قرآن کریم اس واقعہ کا ذکر اس طرح فرماتا ہے:

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الآخِرَةِ لِيَسُوءُ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ○ [۵۵]

اور جب آخری (عذاب) کا وعدہ آیا تاکہ وہ (یعنی رومی) تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہوں، جیسے کہ وہ یہ (یعنی کلدانی) پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر ان کا غلبہ ہوا اس کو برباد کر دیں۔

یہ قوم یہود کو آخری موقعہ دیا گیا تھا۔ حکومت تو ان سے چار سو سال پہلے چھن چکی تھی۔ اب ہمیشہ کی ذلت وخواری ان کی قسمت میں لکھ دی گئی اور کسی خطے میں یکجا ہو کر عزت کی زندگی گذارنے کا موقعہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ اس واقعہ کو آج دو ہزار ایک سو بتیس سال ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد سے اب تک وہ بیت المقدس سے دور منتشر اور پارہ پارہ ہو کر زندگی گذارتے رہے۔

لیکن قرآن کریم نے انتیوکس کے حملے کا ذکر فرما کر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا ہے کہ:

عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ [۵۶]

بہت ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے (ان غلطیوں کا) اعادہ کیا تو ہم بھی (عذاب کا) اعادہ کریں گے اور جہنم کو ہم نے کافروں کا قید خانہ بنا (ہی) رکھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے حال کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا اور اگر اس رحم فرمانے کے بعد تم نے سابقہ غلطیوں کا اعادہ کیا تو پھر تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس رحم کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ حضرت عیسی علیہ السلام کی بعثت کے وقت آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ اس قوم کے اعمال یہودیوں کے مقابلے میں بسا غنیمت تھے۔ ان میں ایک طرف عبادت گذاروں کی کثرت تھی۔ دوسری طرف جہد وعمل کا جذبہ موجود تھا چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام کے عروج آسمانی کے

[۵۵] سورة بنی إسرائیل، الآیة: ۷

[۵۶] سورة بنی إسرائیل، الآیة: ۸

بعد تین سو سال کی طویل جدو جہد کے نتیجے میں بنی اسرائیل کی یہ شاخ روما کی عظیم سلطنت کی مالک بن گئی اور بیت المقدس بھی اس کے قبضہ میں آ گیا۔ تقریباً چار سو سال تک عیسائیوں نے روم میں بڑے جاہ وجلال کی حکومت کی، لیکن مرورِ ایام کے ساتھ اس قوم نے ایک طرف اپنے اصل دین کو بری طرح بگاڑ ڈالا اور دوسری طرف اس میں بھی رفتہ رفتہ یہودیوں کی سی خصلتیں پیدا ہونے لگیں۔

بالآخر آٹھویں صدی عیسوی میں فاران کی چوٹیوں سے ختم نبوت کا خورشید عالم تاب نمودار ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تشریف لاکر یہود و نصاریٰ کے اس دین کو اپنی اصلی شکل میں پیش فرمایا جسے انہوں نے بری طرح مسخ کر دیا تھا، اب تورات وانجیل کے صحیح پیرو مسلمان قرار پائے۔ انہوں نے اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایک طرف سیرت واخلاق کی پاکیزگی کا بے نظیر نمونہ پیش کیا اور دوسری طرف جہد وعمل کی بالکل نرالی مثالیں قائم کیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مختصر سے وقت میں قیصر وکسریٰ کا غرور خاک میں ملاتے ہوئے آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھا گئے۔ ان کی تعداد کم تھی۔ اس کے وسائل دشمنوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے۔ مگر وہ قوت ایمانی سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ جہد وعمل کے جذبے سے سرشار تھے۔ چنانچہ دوسری طاقتوں نے ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح کے ذریعہ بیت المقدس عیسائیوں سے لے لیا۔

مسلمانوں نے تقریباً پانچ سو سال اس طرح حکومت کی کہ بنیادی طور پر وہ مومن بھی تھے اور مجاہد بھی۔ بالآخر متعدد انقلابات کے بعد بیت المقدس کی حکومت سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ یہ نو مسلم لوگ تھے۔ اسلام کے تازہ تازہ جوش سے سرشار اور جذبۂ جہاد سے معمور۔ مگر اسلامی تعلیمات ابھی تک ان میں رچی بسی نہ تھیں۔ ان کا یہ جذبہ اعتدال سے کچھ تجاوز کر گیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے ان عیسائیوں پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں جو بیت المقدس کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ یہ پابندیاں ان فیاضانہ شرائط کی رو کے خلاف تھیں جن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح کی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رومی عیسائیوں نے ان پابندیوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی مہم شروع کی۔ مسلمانوں میں اس وقت خاصی کمزوری آ چکی تھی، اس لئے انہوں نے ایک مختصر وقفے کے لئے بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا۔

لیکن مجموعی طور پر مسلمان پھر مسلمان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس مقصد کے لئے کھڑا کر دیا جو ایمان کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ انہوں نے ہلال وصلیب کے معرکوں میں پے در پے عیسائیوں کو شکست دی اور کچھ ہی عرصہ کے بعد بیت المقدس واپس لے لیا۔ یہ واقعہ چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں پیش آیا تھا۔ اس وقت سے آج تک بیت المقدس مسلسل مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلا آتا تھا۔

اس طویل تاریخ کو بیان کرنے کا مقصد یہ دکھلانا ہے کہ گذشتہ مہینے بیت المقدس اور اس کے گرد ونواح میں جو کچھ ہوا وہ اس قانون قدرت کے عین مطابق ہے جو اس سرزمین پر تین ہزار سال سے نافذ چلا آرہا ہے۔ جس زمانے میں بنی اسرائیل اللہ کی محبوب ترین امت تھی اس وقت وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو بخت نصر اور انتیوکس کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ آج مسلمان خدا کی محبوب ترین امت ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی تمام بداعمالیوں اور عیش کوشیوں کے باوجود وہ فتح و کامرانی اور عزت و سربلندی کا دائمی حق اپنے پاس رکھتی ہے۔ اس لئے اگر اس کی بداعمالیوں کے صلے میں اس پر اسرائیل جیسے کمینہ دشمن کو مسلط کر دیا گیا ہے تو تعجب کا کون سا مقام ہے؟

تاریخ کے اس طویل سلسلے کو پیش نظر رکھ کر حالیہ جنگ کا جائزہ لیجئے تو اس کے پس منظر میں بھی عربوں کی شکست کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا کہ انہوں نے ان دو شرطوں میں سے ایک کو بھی پورا نہیں کیا تھا جن پر قرآن کریم نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی کو موقوف قرار دیا ہے۔ ایک طرف وہاں سے ایمان کی وہ روح رخصت ہو چکی تھی۔ جو أَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ کی دائمی بشارت لے کر آتی ہے اور دوسری طرف ان سے جہد و عمل کا وہ جذبہ فنا ہو چکا تھا جس کی طرف أَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شکست کے اسباب

ان کی شکست کے کھلے کھلے اسباب تھے:

۱......... سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے عرصہ دراز سے اسلام کی واضح تعلیمات کو بالکل پس پشت ڈال رکھا تھا وہ سالہا سال سے یہ دعوی کر رہے ہیں کہ ہمیں مغربی سامراج اور اس کے حاشیہ نشینوں سے نفرت ہے لیکن ان کی زندگی کی ہر نقل و حرکت اس دعوی کو جھٹلاتی ہے۔ ان کے افکار، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت، ان کا لباس، غرض سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز پکار پکار کر یہ کہتی ہے کہ ہم زبان سے مغربی سامراج کو کتنا برا بھلا کہتے ہیں لیکن ہمارے دل اسی کی محبت و عظمت سے آباد ہیں، ہمیں تہذیب ان ہی کی پسند آتی ہے، افکار ان ہی کے اچھے لگتے ہیں اور معاشرت ان ہی کی محبوب ہے۔

اسی طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ عرب ملکوں میں جا کر دیکھئے تو یہ پہچاننا مشکل ہوگا کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے! وہی عریانی، وہی فحاشی، وہی عیش پرستی اور وہی خدا اور رسول کے احکام سے دوری! یہاں تک کہ ایک روایت تو یہ سننے میں آئی ہے کہ اسرائیلی حملہ آوروں نے تو حملے سے دو دن پہلے روزے رکھ کر پیش قدمی کی تھی۔ مگر

قاہرہ کے بعض ہوٹلوں میں اس وقت بھی رقص وسرود کی محفلیں گرم تھیں۔ جب اسرائیل کے بمبار طیارے مصر میں داخل ہورہے تھے اور یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ اب سے چند ماہ پہلے تک مصر میں اسلام کا نام لینے والوں کے لئے پھانسی کے تختے لٹکے ہوئے تھے۔ مصر اور شام میں جس جس طرح علماء پر مظالم ڈھائے گئے وہ ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایک طرف اسرائیل کے یہودی علماء عرب ممالک کے خلاف اپنے عوام میں مذہبی جوش پیدا کر رہے تھے مگر دوسری طرف مصر اور شام کے علماء کو تہ خانوں میں قید کر کے اسلام پسندی کی سزا دی جا رہی تھی۔

۲........ اسلام کی تعلیمات سے دور جا نکلنے کا ہی نتیجہ یہ تھا کہ عرب ممالک اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام کے بجائے عرب قومیت کا نعرہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے برسوں سے وطنی قومیت کے اس بت کو اپنی آستینوں میں جگہ دے رکھی تھی جسے توڑنے کے لئے سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں صاف اعلان فرما دیا تھا کہ:

أَلا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ [۵۷]

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں

اسرائیل میں مختلف نسلوں اور مختلف خطوں کے یہودی یک دل اور یک جان ہو کر اپنی فوجی تیاریوں میں مصروف تھے ان میں کوئی بات یہودی مذہب کے سوا مشترک نہیں تھی۔ ان کی نسلیں مختلف، وطن جدا، زبانیں الگ، مگر مذہب کے نام پر وہ ایک ہو رہے تھے۔ اس مذہبی اتحاد نے ان میں مذہبی جنگ کی روح بیدار کر دی تھی۔ اس لئے ان کا مقابلہ وطنی قومیت کی بنیاد پر کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ان کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ مسئلہ فسطین کو صرف عربوں کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا اور انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک کے تمام مسلمانوں کو اس مہم میں شریک کیا جاتا۔ پاکستان، ترکی اور ایران نے حالیہ جنگ کے موقعہ پر اپنی سابقہ تلخیوں کو بھلا کر عربوں کی حمایت میں جو مثالی کردار ادا کیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ اگر اہل عرب فلسطین کے مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات کچھ مشکل نہیں تھی اور اگر یہ عظیم الشان اتحاد قائم ہو جاتا تو نہ صرف دنیا کے نقشہ پر سے اسرائیل کا وجود مٹ چکا ہوتا بلکہ کشمیر سے لے کر قبرص تک کے تمام مسلم مسئلے خود بخود حل ہو جاتے اور یہ اسلامی ممالک جو اپنے

---

[۵۷] مسند أحمد، حديث رجل من أصحاب النبي ﷺ، رقم: ۲۳۴۸۹

مسائل حل کرنے کے لئے کبھی امریکہ، کبھی روس اور کبھی چین کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں۔ ہر بیرونی احتیاج سے آزاد ہو جاتے۔ دنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے! قدرت نے عالم اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے کس طرح ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔ دنیا کی کیسی کیسی اہم شاہراہیں ان کے قبضے میں ہیں۔ کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں۔ انسانی وسائل کے اعتبار سے بھی وہ کتنے مالا مال ہیں۔ کرہ زمین کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کے سبب پوری دنیا کا دل کس طرح ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ قدرتی انعامات اتحاد اور تنظیم کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کرسکیں!

لیکن ان تمام کھلے کھلے حقائق کے علی الرغم عرب کی سرزمین سے عین دوران جنگ بھی العزۃ للہ کے بجائے العزۃ للعرب کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کیا یہ غضب خداوندی کو دعوت دینے کا خود جمع کردہ سامان نہیں تھا۔ اس نظریۂ قومیت کو ہوا دینے سے چند در چند نقصانات پیدا ہوئے۔

ایک طرف تو اسرائیل جیسے دشمن کے مقابلہ کے لئے جس کی پشت پناہی پوری مغربی دنیا کر رہی تھی۔ مؤثر حریف تیار نہ ہو سکا۔

دوسرے اس طریقے سے خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ جو لوگ قومیت کی بنیاد پر متحد ہونے کو غلط سمجھتے تھے انہوں نے اپنا ایک الگ بلاک بنالیا اور دونوں عرب بلاکوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ دونوں کی قوتیں مشترک دشمن کے مقابلہ کے بجائے باہمی افتراق میں صرف ہونے لگیں۔ دونوں کے تمام وسائل نشر و اشاعت آخر وقت تک ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے میں مصروف ہوتے رہے۔ انتہا یہ ہے کہ جس وقت اسرائیل کے روپ میں امریکہ اور برطانیہ متحد ہو کر عرب ممالک پر چڑھے چلے آرہے تھے ٹھیک اس وقت بھی مصر کی اعلیٰ تربیت یافتہ پچاس ہزار افواج یمن کے اندر مسلم کشی میں مصروف تھیں۔

تیسرا نقصان قومیت کے نظریئے کا یہ ہوا کہ اس کے ذریعہ فوجوں میں جہاد کی وہ روح بیدار نہ ہو سکی جو موت سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے، چار دن کی اس جنگ میں قاہرہ اور متحدہ ہائی کمان کا ریڈیو مسلسل یہ نعرے لگا تا رہا کہ:

جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ الْعُرُوْبَةِ

عرب قومیت کی راہ میں جہاد کرو

مگر جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا جملہ سننے کے لئے یہ گناہ گار کان ترستے ہی رہے۔ العزۃ للعرب کا نعرہ تو ہر ہر گھنٹہ کے بعد سننے میں آتا تھا مگر العزۃ للہ کا جملہ ایک مرتبہ بھی نہیں سنا جا سکا۔ لڑنے والے آخر مسلمان

تھے اور مسلمان کبھی قوم ووطن کے مصنوعی غرور پر جان دینا پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف **لا الـہ إلا اللہ** کا کلمہ ہی ہے جو اسے خون میں نہانے اور آگ میں کودنے کا ولولہ عطا کرتا ہے۔

صدر ناصر نے اپنے ایک بیان میں شکست کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسرائیل کی فوجی قوت ہم سے تین گنا زائد تھی۔ ان کا یہ کہنا اپنی جگہ درست ہے لیکن کیا ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد میں بھارت کی عسکری طاقت پاکستان سے تین گنا زائد نہیں تھی مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان کی مٹھی بھر افواج نے کس طرح ٹینکوں کے سیلاب کا رخ پھیر دیا تھا، وجہ یہ تھی کہ یہ جنگ نسل و وطن کے کسی خود ساختہ غرور پر نہیں لڑی گئی تھی۔ اس کی بنیاد صرف اور صرف **لا الـــہ إلا اللہ** کا زمزمہ بار کلمہ تھا جسے پڑھ کر صدر پاکستان نے خیبر سے سلہٹ تک کے ہر فرد میں اسلام کے نام پر کٹ مرنے کی حیرت انگیز روح دوڑا دی تھی۔

ان حالات میں یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ معلوم ہو مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ:

یہ شکست اسلام اور مسلمانوں کی نہیں بلکہ عرب قومیت کی شکست ہے۔

۳....... ہم نے تعلیمات اسلام سے منہ موڑا اور مغربی معاشرت وافکار کو بھی صرف آزادانہ عیش و عشرت کی حد تک اختیار کیا۔ دشمنوں کی مدافعت کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طرق جنگ جو اسلام سے حاصل کرنے کی چیز تھی ہم نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا، اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے مادی اعتبار سے بھی کوئی مؤثر تیاری نہیں کر سکے۔ اسرائیل کا خطرہ عربوں کے سروں پر گزشتہ بیس سال سے منڈلا رہا ہے اس کے جارحانہ عزائم بھی کبھی پردے میں نہیں رہے۔ اس کی جنگی تیاریاں بھی ان کے سامنے تھیں لیکن انہوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ قدرت نے انہیں بہترین قدرتی اور انسانی وسائل سے مالا مال کیا ہے: تیل پر موجودہ دنیا کی روح قائم ہے اور اس علاقہ میں انہیں زر سیال پر تقریبا اجارہ داری حاصل ہے لیکن انہوں نے قدرت کی اس گراں بہا نعمت کو تمام وکمال ان غیر مسلموں کے رحم وکرم پر چھوڑ رکھا ہے جن کی اسلام دشمنی کبھی راز نہیں رہی اور خود اس تیل کی رائلٹی پر قناعت کر کے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں گویا اس نعمت کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں ہوسکتا۔ سہل انگاری اور عیش کوشی کے سوا اس تلخ حقیقت کی اور کیا تاویل کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے گذشتہ بیس سال میں اپنے یہاں ایسی ایک جماعت بھی پیدا نہیں کی جو تیل کے کنوؤں سے استفادے کا ہنر جانتی ہو اور اپنی اس دولت کو غیر ملکیوں کے تسلط سے آزاد کر سکے۔

پھر انہیں ان قدرتی وسائل کی صرف رائلٹی سے جو رقم حاصل ہوتی وہ تناسب کے اعتبار سے دنیا کے

امیر ترین ملکوں کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ ہے ایک اندازے کے مطابق بینک آف انگلینڈ جیسے دولت مند بینک کی دو تہائی دولت صرف کویت کی جمع کرائی ہوئی رقم سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے دولت مند عرب ممالک یورپ اور امریکہ کے بنکوں میں جو رقمیں جمع کراتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

یہاں پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی خطیر رقم جس کے بل پر یورپ اور امریکہ نے پوری دنیا میں اپنی ساکھ کا لوہا منوا رکھا ہے کیا اس سے تجارتی منافع حاصل کرنے کا حق بھی اسی مغربی دنیا کو پہنچتا ہے جس کی دولت کا ایک بہت بڑا مصرف عالم اسلام کی تخریب ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ رقم خود اپنے ملکوں میں جمع رکھ کر اس سے عالم اسلام کی تعمیر وترقی کا کام لینے کا انتظام کیوں نہیں کیا جاتا؟ موجودہ حالات میں تو ان کے پاس یہ دولت جمع کرانے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ مغربی ممالک عربوں کا تیل استعمال کرنے کا جو معاوضہ انہیں دیتے ہیں یہ پھر اسے انہی کی جیب میں ڈال دیتے ہیں کہ تم ہی اس سے نفع اٹھاؤ۔

اس سے اپنی تجارت وصنعت کو فروغ دو، اسی کے ذریعہ اسرائیل کو طاقت ور بنانے کے لئے اسے جدید ترین اسلحہ مہیا کرو اور اسی کے ذریعہ ہم پر بمباری کرنے والے طیارے بناتے رہو۔

اور جس وقت ہمیں اپنے کسی ترقیاتی کام کے لئے کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی کا کچھ حصہ امداد کا نام رکھ کر ہمیں واپس کر دو تا کہ دنیا کے گوشے گوشے میں تمہاری سخاوت اور فیاضی کے قصیدے پڑھے جائیں اور ہماری گردنیں ہمیشہ تمہارے احسانات کے آگے جھکی رہیں۔

پھر تھوڑا سا اور آگے بڑھ کر دیکھئے جو بچی کھچی رقم یہ ممالک اپنے پاس رکھتے ہیں وہ بھی تھوڑی نہیں ہے لیکن اس کا مصرف کیا ہے؟ ایئر کنڈیشنڈ کاریں، آرائش وزیبائش کا جدید ترین سامان، خودکار فلمیں، شراب، بچوں کے قیمتی کھلونے، ہوابند ڈبوں کی غذائیں، اور قصیدہ گو شاعر۔ عرب ممالک میں سے بیشتر کا یہ حال ہے کہ وہاں آپ کو گھر گھر ٹیلی ویژن اور خودکار فلمیں ملیں گی، سڑکوں پر لاتعداد کیڈی لک کاریں دوڑتی نظر آئیں گی لیکن ان کی چھاؤنیوں میں فوجوں کی تعداد ان کی کاروں سے کئی گنا کم نظر آئے گی، اسلحہ تھوڑا اور وہ بھی پرانے طرز کا ملے گا۔ انتہا یہ ہے کہ کویت جیسے دولت مند ملک میں فوج کی تعداد کل پانچ ہزار اور طیاروں کی تعداد صرف ۸ر آٹھ ہے۔

کتنے عبرت کا مقام ہے کہ بیس سال سے اسرائیل کا عالم یہ ہے کہ وہاں بچہ بچہ سپاہی بن رہا ہے مگر اہل عرب کی باقاعدہ افواج بھی جدید مشینی جنگ کے ترقی یافتہ طریقوں کی تربیت نہیں رکھتیں۔ وہاں ملک کی دولت کا

بیشتر حصہ دفاعی مقاصد پر صرف ہورہا ہے اور یہاں ہر ہر فرد اپنی رقم کا بہترین مصرف تفریح، تعیش اور آسائش کو سمجھتا ہے۔ وہاں جدید ترین اسلحہ کی بھرمار ہورہی ہے اور یہاں گھر گھر ٹیلی ویژن نصب ہیں، وہاں ٹینکوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جارہا ہے اور یہاں کاروں میں ائیر کنڈیشن لگانے کا شوق بڑھ رہا ہے۔ وہاں صنعتی اور تکنیکی میدان میں ترقی کے لئے شب وروز کوششیں ہورہی ہیں اور یہاں ترقی اور خوش حالی کا معیار رقص وسرور کو سمجھ لیا گیا ہے وہاں مختلف اور متحارب جماعتیں اسلام کو مٹانے کے لئے متحد ہورہی ہیں یہاں ابھی تک یہی طے نہیں ہوسکا کہ اتحاد کی بنیاد کیا ہو؟ خدارا! سوچئے کہ ایسے حالات میں ہمیں اپنی شکست کا شکوہ کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

۴....... اس شکست کا چوتھا اہم سبب یہ ہے کہ ہم نے اتحاد عالم اسلامی کی کوشش کرنے کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کرنے کو ضروری خیال کرلیا ہے۔ بجائے اس کے کہ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک پورا عالم اسلام متحد ہوکر اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش کرتا۔ آج اس کی نگاہیں کبھی روس اور کبھی امریکہ کی طرف مرکوز رہتی ہیں حالاں کہ قدم قدم پر ان طاقتوں کی بے وفائی مشاہدے میں آچکی ہے۔ موجودہ جنگ میں عربوں کو روس پر اعتماد تھا لیکن اس نے اس دوران جو شرمناک کردار ادا کیا وہ ساری دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ مانا کہ جنگ کے بعد اس کی طرف سے اسرائیل کے خلاف بڑے زور وشور کے بیانات جاری ہوئے۔ اس نے اقوامِ متحدہ کی نشستوں میں اسرائیل کی مذمت اور عربوں کی حمایت میں کھل کر تقریریں کیں

لیکن سوال یہ ہے کہ ان ہوائی تقریروں کے ذریعہ کب تک دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی جائے گی؟ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جو شخص دنیا میں جنگل کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہو اس کا علاج تقریروں سے نہیں، شمشیروں سے ہوا کرتا ہے، جارحیت کی مذمت زبان سے نہیں سنگینوں کی نوک سے کی جاتی ہے اور مظلوم کی فریاد رسی گول میزوں پر نہیں، جنگ کے میدان میں ہوا کرتی ہے۔ اگر اخلاق وشرافت اور مسلمہ بین الاقوامی قوانین، اسرائیل کی نگاہ میں کچھ وقعت رکھتے تو آج مشرق وسطی میں فلسطین کا کوئی مسئلہ ہی سرے سے موجود نہ ہوتا وہ ایک زہریلا اژدہا ہے جسے قائل کرنے کے لئے عقل وخرد کی کوئی منطق کارگر نہیں ہوسکتی۔ اس کا علاج صرف ایک ہے: ایسا بھرپور وار جس کے بعد اسے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوسکے۔

میدان کارزار گرم ہونے کے وقت خاموش بیٹھے رہنا اور مظلوم کا قصہ پاک ہوجانے کے بعد شور مچانا دوستوں کا کام نہیں ہوتا اور جو مظلوم ایسے شخص کو دوست سمجھنے کی غلطی کرے، اس کی سادگی پر اظہار تعجب کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ روس کے اس موجودہ شور وغل کا مقصد بظاہر حالات اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ بالآخر عربوں کو اسرائیل کے ساتھ سودے بازی پر (Bargaining) پر آمادہ کرکے بیت المقدس کو بین الاقوامی

شہر اور خلیج عقبہ کو بین الاقوامی شاہراہ قرار دے دیا جائے اور اس جنگ میں اسرائیل کی سب سے بڑی کامیابی اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

عربوں کی شکست کے جو اسباب ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی، دقت یا ابہام نہیں ہے یہ کوئی ایسا فلسفہ نہیں ہے جسے سمجھانے کے لئے طویل دلائل کی ضرورت ہو۔ یہ وہ سامنے کی باتیں ہیں جنہیں آج ہر ذی شعور مسلمان محسوس کر رہا ہے۔

یہ شکست ایک زبردست ٹھوکر ہے جو پورے عالم اسلام کو لگی ہے۔ یہ قدرت کا ایک تازیانہ ہے جو ہم سب کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر ہم خودکشی کا عزم صمیم کر کے نہیں بیٹھ گئے تو ہمیں ان تمام کوتاہیوں کی تلافی کے لئے کمربستہ ہونا پڑے گا۔ یاد رکھئے کہ اسرائیلی جارحیت کا سیلاب از خود کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے جب تک کہ عالم اسلام اس پر یہ ثابت نہ کر دے کہ مسلمان ایک ایسی چٹان ہے جس سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کر ڈالنے کے مرادف ہے، زبانی دعووں کا وقت گذر چکا۔ اب عمل کا وقت ہے اور اگر اب بھی ہمیں ہوش نہ آیا تو ہمارا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ آج اسرائیل نے بیت المقدس صحرائے سینا پر قبضہ جمایا ہے، کل وہ قاہرہ، دمشق اور بغداد کا رخ کرے گا اور پھر عالم اسلام کا کوئی گوشہ اس قہر الٰہی سے مامون نہ رہ سکے گا۔ (اللهم احفظنا)

اور اگر اس شکست نے ہمیں جہد وعمل پر آمادہ کر دیا تو یہ شکست کچھ مہنگی نہیں ہے۔ اگر ہم صحیح معنی میں مسلمان بن کر متحد ہو گئے تو اسرائیل کی تو ہستی کیا ہے؟ دنیا کی کوئی طاقت ہم پر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔

اے رب العزت! ہمیں اس ٹھوکر سے سنبھل جانے کی صلاحیت عطا فرما، ہمارے ان تمام گناہوں سے درگذر فرما جن کی بدولت ہمیں یہ ذلت نصیب ہوئی اور آئندہ کے لئے ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم صحیح معنی میں مسلمان بن کر باطل کی طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ہمارے افتراق وانتشار کو اتحاد اور اتفاق میں بدل دے اور یہ قوم دو صدیوں سے اپنی قسمت کے پھیر میں آئی ہوئی ہے اسے ایک بار پھر دنیا میں سربلندی اور آخرت میں سرخ روئی بخش دے۔ آمین! اللهم آمین! یا رب العالمین.

قنوت نازلہ

کسی عام مصیبت مثلاً قحط، وبا، دشمنوں کے حملے وغیرہ کے وقت یہ قنوت نازلہ فجر کی نماز میں آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھے۔ اگر امام پڑھے تو مقتدی ہر فقرے پر آہستہ سے آمین کہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنَا بِرَحْمَتِكَ وَاصْرِفْ عَنَّا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، وَلَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، نَسْتَغْفِرُكَ اللّٰهُمَّ وَنَتُوْبُ إِلَيْكَ.

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ، وَنَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَنَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا نُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ.

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، الأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالأَمْوَاتِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا مَا قَدَّمْنَا وَمَا أَخَّرْنَا وَمَا أَسْرَرْنَا وَمَا أَعْلَنَّا، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الاسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَاخْذُلِ الْكَفَرَةَ وَالْيَهُوْدَ وَالْمُشْرِكِيْنَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ فِلَسْطِيْنَ، وَانْصُرْهُمْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْهِمْ وَأَعِنْهُمْ وَلَا تُعِنْ عَلَيْهِمْ وَامْكُرْ لَهُمْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيْهِمْ.

اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ، وَأَصْلِحْ حَالَ إِخْوَانِنَا فِيْ فِلَسْطِيْنَ. اَللّٰهُمَّ امِنْ رَوْعَاتِهِمْ، وَاحْقُنْ دِمَاءَ هُمْ، وَاشْفِ مَرْضَاهُمْ، وَتَقَبَّلْ شُهَدَاءَ هُمْ.

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ فِلَسْطِيْنَ، وَانْصُرْهُمْ بِجُنُوْدِكَ الَّتِيْ لَا تُرَامُ.

اَللّٰهُمَّ انْتَصِرْ لَهُمْ مِنَ الْيَهُوْدِ الْمُحْتَلِّيْنَ الْغَاصِبِيْنَ. اَللّٰهُمَّ أَرِنَا عَجَائِبَ قُدْرَتِكَ وَأَهْلِكْ إِسْرَائِيْلَ وَأَعْوَانَهُ. اَللّٰهُمَّ فَرِّقْ جَمْعَهُمْ، وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ، وَخَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ، وَأَلْقِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ، وَخُذْهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُقْتَدِرٍ.

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَشْكُوْا إِلَيْكَ ضُعْفَ قُوَّتِنَا، وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا، وَهَوَانَنَا عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ!

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهَدْيِ، إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

منشورات مکتبۃ الحراء

مسئلہ فلسطین - ماضی و حال

حالیہ اسرائیلی مظالم

خطابات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

Publisher:

Maktabatul Hera

8/131,36-A, Double Room, (K) Area Korangi, Karachi.
Contact: 0092 21 35159291, Mob: 0092 300-3360816
Email: maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com
www.deeneislam.com